www.urducouncil.nic.in

اپریل 2025 ، قیمت :- ₹15

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

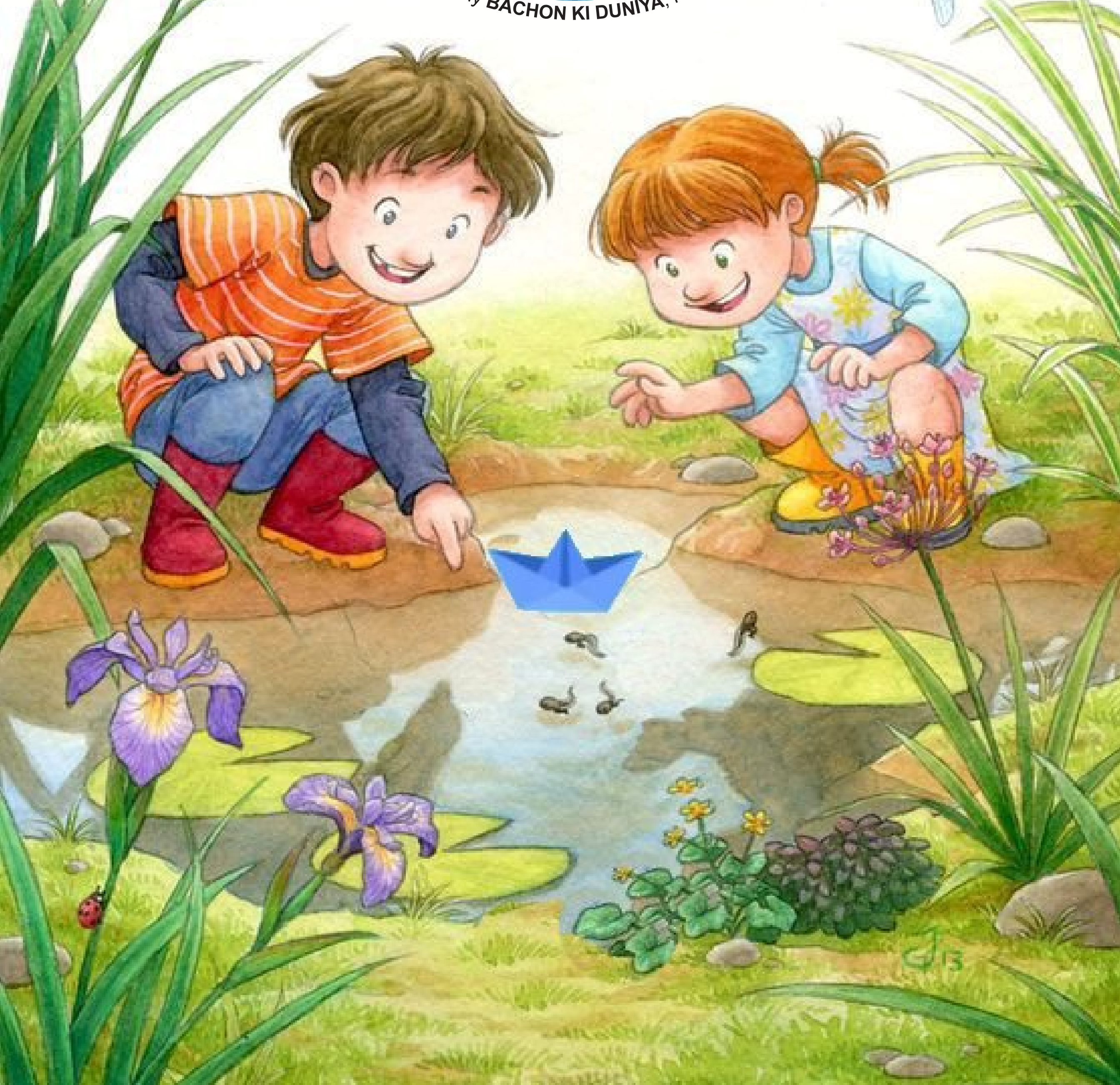

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

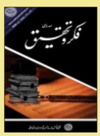

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05

مضامین

چند رینگنے والے جانور	قیصر سرمست	07
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر	سیدہ نوشاد بیگم محمود	12
بچوں کی تربیت	عشرت جہاں	14

نظمیں

اے پرندو لوٹ آؤ	متین اچلپوری	17
لونگ	عبدالرزاق دل کھولاپوری	18
پیڑ پودے	وزیر عالم	18
بہت خوبصورت ہے میرا وطن	رضاء الرحمن عاکف سنبھلی	19
کتابوں کا موسم	محمد وکیل علیمی	20
بچوں کا پیغام	اصغر شمیم	20
ریل گاڑی	احسان انور	21
موبائل یا بَلا	شاد اعظمی ندوی	22

کہانیاں

بارہ مہینوں کی کہانی	قاضی مشتاق احمد	23
بوجھ	ابوطالب انصاری	25
یہ دوستی ہم نہیں چھوڑیں گے	تنویر اختر رومانی	28
چارہ گر	فوزیہ حبیب	31
وفادار کتا	عبدالناصر	35
بہادری	شرمین انصاری	38
روشنی کا چراغ	محمد نہال افروز	41
اچھائی کا پھل	ندا احمد	43
مقابلہ	محمد گلزار عالم	45

قسط وار ناول

جنگل کی کہانی / رمیش نارائن تیواری	مترجمہ : زینت شہریار	48

سائنس

نیشنل سائنس سینٹر کی سیر	محمد خلیل	54

واقفیت عامہ

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات		58

زبان شناسی

جن الفاظ میں (ز) ہے (ذ) نہیں ہے	سید بدرالحسن	59

ننھے فنکار

پینٹنگ		60

بچوں کی دنیا

جلد: 13 شمارہ: 04 اپریل 2025

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت : /15 روپے، سالانہ /145 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد - 500002
فون: 24415194-040

پیارے بچو! موبائل فون آج ہماری زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ چوبیس گھنٹے ہم الیکٹرانک آلات سے گھرے رہتے ہیں۔ اکیسویں صدی میں موبائل اور الیکٹرانک آلات کے بغیر زندگی کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ٹکنالوجی کی صدی ہے۔سائنس دانوں نے اپنی نئی نئی ایجادات سے ہماری زندگی کو آسان بنادیا ہے۔روزانہ کوئی نہ کوئی نئی دریافت ہورہی ہے جس کی وجہ سے ہماری بہت سی پریشانیاں آسان ہوتی جارہی ہیں۔ پہلے لوگوں کو اپنے رشتے داروں کی خیریت دریافت کرنے میں ہفتوں اور مہینوں لگ جاتے تھے اور کبھی کبھی تو خط دیے ہوئے پتے پر پہنچتا بھی نہیں تھا۔آج ہم پلک جھپکتے ہی ملک اور بیرون ملک کے رشتے داروں سے واقف ہوجاتے ہیں، نہ صرف یہ کہ ان سے بات کر سکتے ہیں بلکہ اب تو ویڈیو کال کے ذریعے ان کو دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ای میل، فیس بک، واٹس ایپ، انسٹاگرام، یوٹیوب، ایکس وغیرہ کے ذریعے ہر طرح کی خبریں ہم تک بآسانی پہنچ رہی ہیں، آج انٹرنیٹ کی سہولیات نے تمام چیزوں کے استعمال کو آسان بنادیا ہے۔موبائل اور انٹرنیٹ کی وجہ سے تعلیمی سطح پر بھی انقلاب پیدا ہوا ہے، کورونا کے زمانے میں ہم نے موبائل کی افادیت کو محسوس کیا ہے، اگر موبائل اور انٹرنیٹ نہیں ہوتا تو آن لائن کلاس یا آن لائن ملازمت ممکن نہ تھی۔زوم اور گوگل میٹ وغیرہ کی وجہ سے ہی یہ چیزیں ممکن ہوسکی ہیں۔

بچو! موبائل فون کے بہت سے فائدے ہیں، شرط یہ ہے کہ ہم اس کا صحیح اور مثبت استعمال کریں، گوگل کو ہم معلومات کا ذخیرہ کہہ سکتے ہیں، ایک کلک کرتے ہی مطلوبہ چیزیں یا معلومات ہمارے سامنے ہوتی ہیں۔ ہر طرح کی درسی اور غیر درسی کتابیں یہاں موجود ہیں، جس زبان یا جن اصناف کی کتابیں دیکھنی ہوں انھیں ہم بآسانی دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔کسی لفظ کا معنی اور مطلب دیکھنا ہو تو ہر طرح کی ڈکشنری بھی یہاں دستیاب ہے۔کسی بھی سبجیکٹ یا کلاس کی ویڈیوز دیکھنا چاہیں تو وہ بھی دیکھ اور سن سکتے ہیں۔سبجیکٹیو اور آبجیکٹیو ہر طرح کے سوالات مع جوابات آپ کو گوگل پر مل جائیں گے۔اس لیے موبائل اور انٹرنیٹ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں، آن لائن کتابیں پڑھیں، حوصلہ افزا تقاریر سنیں اور وقت کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنی پسندیدہ چیزوں سے لطف اندوز ہوں، اور اپنی صلاحیت اور قابلیت میں نکھار پیدا کریں۔

پیارے بچو! موبائل کا اگر صحیح استعمال نہیں کیا گیا تو اس کے بہت برے اثرات ہماری صحت اور کیریئر پر پڑیں گے۔ زیادہ موبائل دیکھنے اور ویڈیو گیمز وغیرہ کھیلنے سے ہماری بینائی بھی خراب ہوسکتی ہے۔سوشل میڈیا کا زیادہ استعمال ہمیں اپنی منزل مقصود سے دور کرسکتا ہے۔اس لیے جتنا ممکن ہو سکے سوشل میڈیا اور تفریحی گیمز وغیرہ سے دور رہیں، اپنے وقت کی قدر کریں اور غیر ضروری چیزوں میں اپنا قیمتی وقت برباد نہ کریں۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

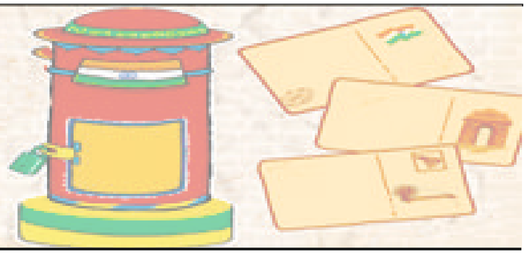

بچوں کے رسائل پڑھنا میرا محبوب مشغلہ ہے، میں مختلف رسائل کا ہر ماہ مطالعہ کرتا ہوں اور میرا یہ معمول پچھلے تقریباً دس سال سے جاری ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کا مجھے بے صبری سے انتظار رہتا ہے، یہ میری پسندیدہ میگزین ہے، میری کوشش ہوتی ہے کہ پوری میگزین ایک ہی دن میں پڑھ لوں اس لیے کہ اس میں بڑی معلوماتی چیزیں ہوتی ہیں۔ کہانیوں اور نظموں کا انتخاب بڑی عرق ریزی سے کیا جاتا ہے۔ اداریے بھی بے حد اہم ہوتے ہیں۔ مارچ 2025 کے اداریے میں وقت کی اہمیت و افادیت کو مختصر لیکن جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ عظیم اقبال کا مضمون اشارے کی زبان اور اس کے فوائد اچھا لگا، اس میں بڑی خوبصورتی سے اشارے کی خوبی اور اس کی زبان کو بیان کیا گیا ہے۔ ہولی پر ایک نظم مسعودہ حیات کی ہے جس میں ہولی کی اہمیت اور اس کی خصوصیات کو اجاگر کیا گیا ہے، اس طرح کی نظمیں ہماری تہذیب و ثقافت کو بیان کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ چلو ہم پڑھیں، کوا، علم، ابو جی کی جیب اور سب سے پیارا ہندوستان بھی پیاری نظمیں ہیں۔ کہانیوں میں پوں پوں والے انکل بڑی دلچسپ اور سبق آموز ہے، عیدو بھی اچھی کہانی ہے اس میں ایک لڑکے کی کہانی کو بہترین اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ قسط وار ناول بھی اچھی ہے لیکن تھوڑی طویل ہوگئی ہے۔ اس کی طوالت کبھی کبھی گراں گزرتی ہے، کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ کہانی کو بلاوجہ طول دیا جا رہا ہے، زینت شہریار صاحبہ کا ترجمہ اچھا ہے، لیکن پھر بھی کہیں الفاظ و جملے ایسے آجاتے ہیں جو اس طرح کی کتابوں میں نہیں آنے چاہیے۔ تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور جب سے آپ نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہر ماہ میں اسے الگ کاپی میں لکھ لیتا ہوں اور بچوں کو مشق کرواتا ہوں تاکہ ان کی جنرل نالج ابھی سے اچھی ہو جائے۔ اس لیے کہ جنرل نالج ایک ایسا سبجیکٹ ہے جو ہر کمپیٹیشن امتحان میں آتا ہے۔ میں مدیر اور نائب مدیر کو اس اہم میگزین کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں۔

محمد معاذ، مہاراشٹر

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' فروری 2025 کا تازہ شمارہ ہم دست ہوا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے متعلق اداریے کی تحریر نے بہت متاثر کیا۔ تمام مشمولات لائق مطالعہ ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور نکھارنے میں یہ رسالہ اہمیت کا حامل ہے۔ بچوں کی ذہنی سطح اور نفسیات کی مناسبت سے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر تحریریں بھی قابلِ ستائش ہیں۔ واقفیت عامہ کے تحت تاریخ، ادب و ثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات پر سوالات اور ان کے جوابات بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت کارآمد ہیں۔ سید واجد علی شاہ جیلانی کا مضمون 'بھارت رتن ڈاکٹر ذاکر حسین' پڑھ کر بہت متاثر

اولیوا کیڈمی، چلما پور، گورکھپور، یوپی

ہوا۔ مضمون میں ایک جگہ میرے اپنے شہر اٹاوہ اور اسلامیہ اسکول کا حوالہ آیا تو میں فطری طور سے جذباتی ہو گیا۔ واقعی ماہنامہ بچوں کی دنیا کے مضامین بہت عمدہ اور معلومات افزا ہوتے ہیں۔ بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے 'ننھے فنکار' کالم میں بچوں کی ڈرائنگ، فوٹو، نام اور پتہ کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ ان تمام خوبیوں سے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ یقیناً قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی خدمات قابل قدر ہیں...

یاسین انصاری، باہ اڈا، اٹاوہ (یوپی)

خالص ادبی اسکالر ہونے کے باوجود مجھے خود نہیں پتہ رسالہ بچوں کی دنیا مجھے بہت ہی عزیز کیوں ہے۔ جب میں اپنے اسلاف کو دیکھتی ہوں جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر ذاکر حسین اور اس وقت کے دیگر بڑے مرد و خواتین دانشور تو سبھی بچوں کے رسائل میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، تو مجھے بھی اس دلچسپی سے خوشی ہوتی ہے۔ بچوں کی دنیا کی سب سے اہم خاصیت مجھے یہ لگتی ہے کہ اس کے مختصر مضامین مختصر دورانیہ میں ہمیں تازہ دم ہونے میں بہت ہی زیادہ معاون ہوتے ہیں۔ خیر اس شمارے کی بات کی جائے تو خواجہ صاحب نے جن گیارہ فوجیوں کا ذکر کیا ہے یقیناً وہ ہمارے ملک کے ہیرو ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کا کیا ہی کہنا یقیناً وہ ہمارے ملک کے رتن تھے۔ ایسے رتن صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ٹکٹ کی کہانی بھی بہت ہی خوب ہے۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ گزشتہ دنوں کسی مہاراشٹر کے قلمکار نے ڈاک ٹکٹ پر بہت ہی اچھا معلوماتی مضمون تحریر کیا تھا۔ بیا چڑیا کا گھونسلہ نوے کی دہائی میں ہم بچوں کے لیے بہت ہی زیادہ توجہ کا مرکز ہوا کرتا تھا، دیسی کھجور کے پیڑوں میں ہوا کرتا تھا، اس لیے کبھی پاس سے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا، ہاں جب کبھی آندھی طوفان کی زد میں آتا تو پیڑ سے گرنے کے باعث ہی دیکھ پاتے تھے، اس کے اندر کئی خانے ہوتے تھے انھیں دیکھ کر بہت ہی حیرت ہوتی تھی۔ شمارے میں اسے پڑھا تو ماضی کی یاد آ گئی۔ بقیہ سارے سائنسی و غیر سائنسی مضامین دلچسپی کے باعث ہیں۔ نظم 'موز' فراق جلال پوری کی نظم عمدہ ہے۔ معلومات کا حصہ بھی بہت ہی خوب ہے۔ اس میں سائنس کا عنصر زیادہ ہے اس سے اندازہ لگتا ہے کہ سائنس کے بچوں میں یہ رسالہ بہت ہی زیادہ مقبول ہے۔ ننھے فنکار میں ان کی فنکاری بھی بہت خوب ہے۔ اکثر فنکار ثانوی اسکول کے ہیں ایسے میں مجھے عدینہ تسنیم کی پینٹنگ بہت ہی اچھی لگی۔

سفینہ سماوی، الہ آباد، یوپی

قیصر سرمست

چند رینگنے والے جانور

چند رینگنے والے جانور Reptile ایسے ہیں جن کے ذکر کے بغیر رینگنے والے جانوروں کا بیان ادھورا رہ جائے گا۔ ویسے تو رینگنے والے جانور بے شمار ہیں لیکن میں جن چند Reptiles کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہیں کاموڈو مانیٹر (Komodo Monitor)، گیلا عفریت (Gila Monster)، ڈیڈ لیزرڈ (Deaded Lizard)، لینن اگوانا (Linnean Iguana)، دودھاری مانیٹر (Two-Banded Monitor)، جھالر والا گرگٹ (Frilled Lizard)، بحری اگوانا (Marine Iguana)، اڑنے والا جیکو (Flying Gecko) اور ٹواٹارا (Tuatara)۔

پہلے سنیے کاموڈو مانیٹر (Komodo Monitor) کے متعلق، آپ سوچ رہے ہوں گے کہ گرگٹوں (Lizards) کی دو ہزار پانچ سو قسموں میں سے کاموڈو مانیٹر کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ اس موجودہ دنیا میں بھی ڈائینوسارس کا ایک نمائندہ باقی ہے۔ کاموڈو ڈراگن روئے زمین پر رینگنے والے جانوروں میں سے سب سے بڑا ہے۔ اس ڈراگن کی لمبائی دس سے بارہ فٹ تک ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ پندرہ فٹ لانبے بھی ملے ہیں۔ یہ گوشت خور جانور انڈونیشیا میں جاوا (جاوا میں اٹھارہ میل لانبا اور بارہ فٹ چوڑا ایک جزیرہ ہے جسے کاموڈو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ ڈراگن وہیں پایا جاتا ہے اس لیے یہ نام دیا گیا) کے مقام پر پایا جاتا ہے۔ ابتدا میں جب لوگوں نے اتنا بڑا گرگٹ دیکھا تو بے حد خوف زدہ ہوئے اور اس کے بارے میں من گھڑت کہانیاں گھڑ دیں کہ وہ آگ اگلتا ہے اور پیشاب کرتا ہے تو آگ لگ جاتی ہے وغیرہ۔ جو سراسر غلط ہے لیکن اس حقیقت میں کہانی یا قصے کا عنصر قطعی نہیں ہے کہ وہ بھیڑ بکری، حتیٰ کہ سور تک کا شکار کر لیتا ہے۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کاموڈو ڈراگن کو بغیر چھیڑے یا غصہ دلائے اس آدمی پر حملہ کر دیا ہو۔ وہ خود بھی انسان سے دور ہی رہنا پسند کرتا ہے۔

اس کا وزن دو صحت مند آدمیوں کے برابر یعنی دو سو نوے پونڈ ہوتا ہے۔ اسے سب سے پہلے 1910 میں دیکھا گیا تھا اور اس کی کھال پہلی بار 1923 میں یورپ لائی گئی تھی اور اسے پہلی مرتبہ 1926 میں زو کے لیے پکڑا گیا تھا۔ اسی سال سے اس کی حفاظت کی جانے لگی کیونکہ اس کی کھال فیشن ایبل حضرات پسند کرنے لگتے تھے۔ یہ حقیقت میں ایک زمینی جانور ہے لیکن ضرورت پڑ جائے تو نہ صرف تیر سکتا ہے بلکہ غوطے بھی لگاتا ہے۔ یہ اپنی راتیں گزارنے کے لیے زمین میں گڑھے کھود کر اس میں چھپا رہتا ہے اور دن میں شکار کی غرض سے ان گڑھوں سے نکل آتے ہیں۔ یہ اتنا لامبا چوڑا اور وزنی ہونے کے باوجود بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔ اس کا پیٹ جو ہمیشہ زمین سے تقریباً لگا رہتا ہے۔ دوڑتے وقت زمین سے الگ ہو جاتا ہے۔

گیلا عفریت (Gila Monster): اس نوع کی صرف دو قسمیں پائی جاتی ہیں اور یہی دنیا کی واحد زہریلی چھپکلیاں (یا گرگٹ) ہیں اس کے اوپری اور نچلے حصے میں مڑے ہوئے دس دانت پائے جاتے ہیں جن کا تعلق زہریلے غدود سے نہیں ہوتا۔ اس کے زہریلے دانت سانپ کے زہریلے دانتوں (Fangs) سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اس کے زہریلے غدود برخلاف سانپ کے، نچلے جبڑے ہوتے ہیں۔ اس کا بدوضع جسم ناٹا اور سر چپٹا، دم موٹی اور لمبائی میں جسم سے کچھ ہی چھوٹی ہوتی تھی۔ اس انیس (تا بائیس) انچ لانبے عفریت کو یہ نام امیزان کے صحرا گیلا کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ یہ جنوب مغربی امریکہ اور میکسیکو میں پایا جاتا ہے، اس کے جسم پر نیم کردی فلس (Scales) ہوتے ہیں جو موتیوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اس کا رنگ گہرا بھورا اور اس پر بے ترتیب گلابی رنگ کے دھبے ہوتے ہیں۔ یہ گلابی دھبے جوان گیلا مونسٹر پر بہت نمایاں ہوتے ہیں اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ دھبے کم ہوتے ہیں، رنگوں کے اس امتزاج کے باوجود آنکھوں کو بھلا معلوم نہیں ہوتا بلکہ اسے دیکھنے کے بعد کراہیت کا احساس ہوتا ہے۔

یہ بھی دن کا زیادہ حصہ گڑھے کھود کر اس میں گزار دیتا ہے اور شام ہوتے ہی شکار کے لیے باہر نکل آتا ہے۔ گیلا عفریت، کیڑے مکوڑے، کیچوے (Earth Worm) مینڈک، چوہے اور چڑیاں وغیرہ کھاتا ہے۔ یہ کریہہ عفریت چڑیوں اور دوسرے رینگنے والے جانوروں کے انڈے بہت شوق سے کھاتا ہے۔ یہ بھی دوسرے رینگنے والے جانوروں کی طرح بو اور مزے پر شکار کرتا ہے۔ ماہ جولائی ان کے ملاپ کا زمانہ ہوتا ہے اور اس ماہ کے آخر میں مادہ تین سے پندرہ تک زردی مائل خاکی انڈے دیتی ہے اور انھیں ریت میں دبا دیتی ہے تاکہ Hatch ہونے کے بعد بچے نکل آئیں۔ جب انھیں چھیڑا جاتا ہے تو یہ اپنے منہ سے سفید اور زہریلا جھاگ اڑاتے ہیں جو اس کے زہریلے غدود سے خارج ہوتا ہے۔ یہ زہریلے چھوٹے جانوروں کے لیے انتہائی مہلک ہوتا ہے۔ ایک اور عفریت کے بارے میں بھی سن لیجیے۔ یہ ہے:

بیڈڈ گرگٹ (Beadedlizard): یہ بھی ان ہی علاقوں میں پایا جاتا ہے جہاں کہ گیلا مونسٹر دہشت پھیلائے ہوئے ہے۔ گیلا سے یہ کسی قدر بڑا ہوتا ہے اور اس کے جسم پر پیلے دھبے پائے جاتے ہیں۔ یہاں ایک بات صاف

کردوں کہ Bearded Lizard کو بیڈڈ سے خلط ملط کرکے بریڈڈ لیزرڈ جیسے بے ضرر گرگٹ کو زہریلا نہ سمجھ بیٹھیے یہ آسٹریلیا میں پایا جاتا ہے۔ بیڈڈ اور گیلا کے زہر میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ ایک اچھے بھلے آدمی کو موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔

گلامونسٹر جیسا بے ڈول اور سست گرگٹ کاٹتا انتہائی تیزی سے ہے اور اپنے سر کو موڑتا ہے۔ برسبیل تذکرہ یہ بھی بتا دوں کہ چند Lizard ظاہری طور پر بالکل سانپ دکھائی دیتے ہیں، چنانچہ ان کے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ سانپ کی طرح لانبے اور پائپ کی مانند ہوتے ہیں لیکن تمام خصوصیات گرگٹ کی پائی جاتی ہیں۔

زہریلے سانپوں اور Lizards کے Balivary Glands بے حد تکمیل پائے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ زہر تیار کرنے والے عضو میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ سانپ اور دوسرے Lizards جو اپنے جسم کی موٹائی سے بہت موٹے شکار کو آسانی سے نگل سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے منھ سے ایک چکنا مادہ نکلتا رہتا ہے جو شکار کو نگلنے میں مدد دیتا ہے۔

اب ان قابلِ ذکر لیکن غیر زہریلے گرگٹوں (Lizards) کا حال بھی سن لیجیے:

دودھاری مانیٹر(Two-Banded Monitor):

یہ اپنے بڑے بھائی کا موڈو مانیٹر سے کچھ ہی چھوٹا یعنی 85 تا 105 انچ تک لانبا ہوتا ہے، اس کا وطن سیلون (سری لنکا) جنوب مشرقی ایشیا، جنوبی چین، انڈونیشیا اور فلپائن ہے۔ اس کے جسم کے اوپر حصہ پر گول دھبے ہوتے ہیں یہ اپنا زیادہ وقت پانی کے قریب یا پانی کے اندر گزارتا ہے۔ اتنا وزنی اور لانبا ہونے کے باوجود درختوں کی ان شاخوں پر جو پانی پر جھکی رہتی ہیں چڑھا رہتا ہے تاکہ نیچے سے گزرتی ہوئی مچھلی کو غوطہ دے کر دبوچ سکے۔ یہ بھی چھوٹے پستانیہ جانور، پرندے، کچھوے اور مینڈک وغیرہ

کھاتا ہے لیکن اس کا من بھاتا کھانا چڑیوں اور دوسرے گرگٹوں کے انڈے ہیں ان انڈوں کو یہ اپنے ہونٹوں سے بہت مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اور سالم نگل جاتا ہے۔ یہ پنے انڈے کسی پرانے درخت کے کھلے حصے میں دیتا ہے۔ یہ چھوٹے جانوروں کو کاٹتا، اپنی طاقت ور دم سے کوڑے کی طرح مارتا اور پھر اپنے مضبوط، سخت اور مڑے ہوئے پنجوں سے چیر ڈالتا ہے۔

لینیین اگوانا (Linnean Iguana): اس کی تصویر دیکھتے ہی آپ کا ذہن ماقبل تاریخ کے جانوروں کی طرف چلا جائے گا کیونکہ اس کی پیٹھ پر قطار میں لگی برچھیاں ہمیں ڈائناسور کی یاد دلاتی ہیں۔ یہ جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ ایسا بھیانک جانور جسے دیکھ کر ہم ڈر جائیں۔ آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ وہاں کے لوگ نہ صرف اس کے انڈے کھاتے ہیں بلکہ اسے بھی کھا جاتے ہیں۔ جب یہ خوف زدہ ہوتے ہیں تو اپنا سر اور پھر سارا جسم پانی میں ڈبو دیتے ہیں۔

لینیین اگوانا زیادہ تر ان درختوں کی شاخوں پر رہتے ہیں جو پانی پر جھولتی رہتی ہیں۔ انھیں آپ عمدہ تیراک کہہ سکتے ہیں۔ غذا کی تلاش میں یہ صرف شام کے وقت زمین پر آتے ہیں، مادہ اپریل کے مہینے میں اکیس سے چوبیس تک انڈے دیتی ہے جس کا چھلکا چکنا ہوتا ہے۔ مادہ انھیں ریت میں دبا دیتی ہے۔

بحری اگوانا (Marins Iguana): یہ چار، ساڑھے چار فٹ لمبے گرگٹ گلاپگوس کے جزائر (Galapagos Island) میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ گرگٹ کی یہ واحد قسم ہے جس کی گزر بسر سمندری گھاس پر ہے۔ یہ بتانے کی شاید ضرورت نہیں۔ یہ بہترین تیراک ہوتا ہے۔ خالی اوقات میں یہ ساحل سمندر کی چٹانوں پر پڑے رہتے ہیں۔ چٹانوں کے قریب ریت پر مادہ چھ سے آٹھ تک انڈے دیتی ہے۔

جھالر والا گرگٹ(Frilled Lizard): منھ سے دم کی نوک تک اکتیس انچ اور دُم۔ دُم جسم سے دوگنی لمبی یعنی اکیس انچ۔ یہ شمالی آسٹریلیا کے تمام علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے سر کے پچھلے حصے پر باریک جلد کی جھالر لگی رہتی ہے جس کے اندر مرمری ہڈی کرنوں کی طرح پھیلی رہتی ہے۔ جب یہ خوف زدہ یا مشتعل ہوتا ہے تو اسے چھتری کی طرح پھیلا لیتا ہے۔ عام حالات میں یہ جھالر تہہ کی ہوئی سر کے پچھلے حصے پر پڑی رہتی ہے۔ اس جھالر کا قطر پانچ ہوتا ہے۔ یہ اپنے پچھلے پیروں اور دم کی مدد سے بہت تیز دوڑتا ہے اور تیس فٹ لمبی چھلانگ لگا سکتا ہے۔ جب یہ دوڑتا ہے تو ڈائناسور کی یاد تازہ کردیتا ہے۔

اڑنے والا جیکو(Elying' Gecko): یہ ساڑھے سات انچ لمبا اڑنے والا جیکو جنوب مشرقی ایشیا، بورینو، جاوا اور سماترا میں پایا جاتا ہے۔ عام حالات میں یہ اپنی باریک جلد کو سر، جسم اور دم کے دونوں جانب سمیٹے رکھتا ہے۔ جب ضرورت ہو وہ اسے پیراشوٹ کی طرح استعمال کرلیتا ہے اور ایک درخت سے دوسرے درخت تک رسی کے ذریعے اڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔

ٹواٹارا (Tuatara): یہ واحد گرگٹ نما رپٹائل (Lizard-Like Reptile) ہے جسے زندہ باقیات (Living Fossils) کہا جاتا ہے۔

شاید آپ یقین نہ کریں کہ ماہرین حیوانیات (Zoologist) اسے ڈائناسور گروہ کا رشتہ دار قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق Mesozoicera سے ہے اور سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کروڑوں سال کا طویل ترین زمانہ بھی اس کی ظاہری ساخت میں کوئی تبدیلی نہ لا سکا۔ اس زندہ باقیات کو نیوزی لینڈ کے ایک جزیرے کے ساحل پر آج سے صرف 45 سال پہلے 1938 میں دریافت کیا گیا تھا۔ آج کی اندرونی ساخت میں اس عہد کے جانوروں کی سی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس کی ہڈیاں ڈائناسور کی طرح کناروں پر مقعر (Concave) ہوتی ہیں۔ تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے جسمانی نظام میں وہ کیا خصوصیت یا صلاحیت تھی کہ اسے کروڑہا سال کا زمانہ بھی وجود سے عدم کی طرف ڈھکیل نہ سکا۔

یہ بھی دوسرے رینگنے والے جانوروں کی طرح سارا دن گڑھوں میں چھپا رہتا ہے اور شام ہوتے ہی باہر نکل آتا ہے۔ بعض اوقات شدید گرما یا سرما سے بچنے کے لیے اسے گرما خوابی یا سرما خوابی گزارنے پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے۔ کیڑے مکوڑے، لاروا، کیچوے (Worms) اور مینڈک وغیرہ پر یہ زندگی گزارتا ہے۔ موسمِ بہار میں مادہ آٹھ سے باہر تک انڈے دے کر اسے کسی گڑھے میں چھپا دیتی ہے جو ایک سال تک Hatch ہوتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ رینگنے والے جانوروں میں Hatching کا یہ سب سے طویل زمانہ ہے۔ لواٹارا 1870 سے پہلے تک شمالی جزیرے میں رہا کرتے تھے لیکن جب ان کا قلع قمع کیا جانے لگا اور سور، کتے اور بلیاں انھیں چٹ کرنے لگے تو مجبوراً انھیں وہاں سے بھاگنا پڑا۔ لیکن بعد میں انھیں مارنا قانوناً جرم قرار دے دیا گیا۔

■

ماخذ: رینگنے والے جانور، **مصنف**: قیصر سرمست
سنہ اشاعت: 1989، **ناشر**: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

سیدہ نوشاد بیگم محمود

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر

بچو! آج ایک بات آپ کو ایسی بتانے جا رہے ہیں جو کہ زندگی بھر آپ کو مطمئن اور خوش رکھے گی۔ اگر آپ نے اس پر عمل کر لیا تو یقین کیجیے کہ مخلوق تو اس سے خوش ہوگی ہی خدا بھی آپ پر مہربان رہے گا۔ خدا اپنے ایسے بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو ہمیشہ تکلیف اور دکھ درد میں اپنے ساتھیوں، دوست واحباب کی مدد کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔

خواجہ میر درد نے کہا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

روزمرہ کی زندگی جیتے ہوئے کسی بھی فرد کو ہماری ضرورت یا امداد درکار ہوسکتی ہے۔ مصیبت میں مبتلا انسان کو بلا جھجک مدد کرنی چاہیے۔ ہم اگر کسی انسان کو پریشانی یا مصیبت سے نجات دلا سکے تو اُس پریشان حال فرد کے لیے وہ عمل ناقابلِ فراموش تو ہوتا ہی ہے اور آپ کا وہ کارِ خیر جزا کا مستحق بھی ہوتا ہے۔

ہم پر بھی کبھی مصیبت یا پریشانی آ جائے تو ہم دیگر افراد سے مدد کی توقع کرتے ہیں۔ دیگر انسانوں کی زندگی میں خوشیاں فراہم کر کے ہمیں واقعی خوشی ملتی ہے ہماری کوشش کی وجہ سے کسی بھی فرد کو کچھ بھی فائدہ حاصل ہو تو سچ مچ وہ صحیح عمل ہے۔ بے لوث خدمات کا اجر خدا اپنے بندے کو دیتا ہے۔

جس نے خاموشی سے نیکی کی تجارت کی ہے
فائدہ غیب سے اُس کو تو خدا دیتا ہے

ایک کہانی کی مدد سے آپ کو سمجھاتے ہیں کہ نیک عمل کس طرح لوٹ کر آتا ہے۔ لندن میں رہائش پذیر خاندان کی کہانی ہے وہ موسمِ گرما کی تعطیلات منانے اسکاٹ لینڈ گئے تھے۔ والدین اپنے جوان بیٹے کے ساتھ دیہات

کے قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایک روز یہ خاندان جنگل میں گھوم رہا تھا کہ اُن کا جوان بیٹا اپنی موج مستی میں راستہ بھول گیا اور ایک ایسے تالاب کے قریب پہنچ گیا جسے کوئی استعمال نہیں کرتا تھا۔ اُس نے اپنی جوانی کے جوش میں بغیر سوچے سمجھے اُس تالاب میں نہانے کا ارادہ کرلیا۔ اور لباس اُتار کر اُس تالاب میں چھلانگ لگادی۔'' آگے جو کچھ حادثہ اُس کے ساتھ پیش آنے والا تھا اُس کا تصور بھی اُس کے ذہن میں نہیں تھا۔ اچانک اُس کا جسم اکڑنے لگا۔ اور وہ اذیت ناک درد میں مبتلا ہوگیا۔ اُس اذیت کی وجہ سے پانی میں تیرنا اُس کے لیے مشکل ہوگیا۔ کیونکہ کئی عرصے سے اُس تالاب کی صفائی نہیں ہوئی تھی۔ تمام پانی گندہ اور زہر آلود ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنی موت کو قریب سے دیکھ کر مدد کے لیے چلّانے لگا۔ خوش نصیبی سے پڑوس کے ایک کھیت میں کسان کا لڑکا کام کر رہا تھا۔ اُس نے یہ درد بھری آواز سُنی اور پانی کی جانب دوڑ لگائی اور اُس انگریز لڑکے کو پانی سے باہر نکال کر اُس کی جان بچائی۔ یہ واقعہ جب لڑکے کے والد نے سنا تو انھیں اُس کسان لڑکے سے ملاقات کا تجسّس پیدا ہوا۔ وہ خود کو اُس لڑکے کا احسان مند سمجھ رہے تھے کہ اس نے میرے بیٹے کی جان بچائی۔ دوسرے روز اُس کسان لڑکے سے مل کر گفتگو کی۔ مستقبل میں بیٹے آپ کیا کرنے والے ہو؟ لڑکے نے مایوسی سے جواب دیا۔ کیا کروں گا جناب مجھے میرے والد کی طرح کسان کی زندگی جینی ہے، انگریز آدمی نے پوچھا۔ دوسرا کچھ کرنے کا تمھارا ارادہ ہے کیا؟

جی! سچ مچ ڈاکٹر بننے کی میری بڑی خواہش ہے۔ لیکن میرے گھر والے غریب ہونے کی وجہ سے اس تعلیم کے لیے ضروری خرچ نہیں کرسکتے۔ اُس انگریز انسان نے کہا! اس طرح تم اُداس اور مایوس نہ ہو۔ تمھاری دلی تمنّا پوری ہوگی۔ تم اپنے کو آگے کی تعلیم کے لیے ذہنی اور قلبی طور پر تیاری کرو۔ خرچ کی ذمے داری میں لوں گا۔

اس طرح اسکاٹ لینڈ کے کسان کا بیٹا ایک روز اپنی محنت سے ڈاکٹر بن گیا۔ کہا جاتا ہے یہ کہانی من گھڑت نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ چند برسوں بعد یعنی دسمبر 1943 میں اُس انگریز انسان کو جنوبی افریقہ میں رہتے ہوئے نمونیہ جیسے موذی مرض نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کا علاج اُس کسان کے بیٹے نے کیا جو کہ ایک ماہر ڈاکٹر بن چکا تھا۔ یہ واقعہ ہمیں نایاب درس دے جاتا ہے۔ ہمارے ذریعے انجام دیے گئے اچھے کاموں کی واپسی ہو یا اجر ہمیں یقیناً مزید کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ اچھائی کس شکل میں تمھارے پاس لوٹ کر آئے گی یہ کہا نہیں جاسکتا اس لیے ہمیں مسلسل اچھے عمل سے ضرورت مندوں کی مدد کرتے رہنا چاہیے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

■

Syeda Naushad Begum
Shri Darshan Apts
B-203, Mumbai Pune Road
Shastri Nagar, Kalwa
Distt.: Thane - 400605 (Maharashtra)
M: 9867650210
naushadbegum.sayyad@gamil.com

بچوں کی تربیت

یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ موجودہ زمانے میں والدین اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے فکر مند دکھائی دیتے ہیں۔ وہ لوگ جن کے بچے اسکولوں یا مدرسوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ ان کے بچے اچھی سے اچھی تعلیم حاصل کریں۔ اس لیے کئی والدین اپنے بچوں کے لیے بہتر سے بہتر اسکولوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ حالانکہ انھیں معیاری اسکولوں میں اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے اچھی خاصی ماہانہ فیس ادا کرنی پڑتی ہے مگر وہ اس کی فکر نہیں کرتے، بس ان کی فکر تو اس بات کو لے کر ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ کر قابل بن جائیں، اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کریں، ڈاکٹر بنیں، انجینئر بنیں، افسر بنیں، لیکن کچھ والدین اپنی مالی حالت کے زیادہ بہتر نہ ہونے کی جہ سے مہنگے اسکولوں میں اپنے بچوں کو پڑھا نہیں سکتے، اس لیے وہ عام اسکولوں میں ہی اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ انہی اسکولوں میں پڑھ کر ان کے بچے قابل بن جائیں گے۔ جن بچوں کے والدین پڑھے لکھے ہوتے ہیں، وہ اپنے بچوں کو خود بھی پڑھاتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے بچوں کے لیے ٹیوشن کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے بچوں کو غربت یا کسی اور وجہ سے پڑھانے کے لیے اسکول یا مدرسہ بھیج نہیں پاتے، لیکن وہ اپنے دل میں تلملاتے رہتے ہیں کہ کاش! ان کے بچے بھی کہیں پڑھ لیتے۔ یہ صورت حال اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ ہمارے سماج میں تعلیم کو لے کر بیداری پیدا ہوئی ہے۔ شرح خواندگی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ جس تیزی کے ساتھ جگہ جگہ اسکول کھل رہے ہیں اور بڑی تعداد میں بچے پڑھنے کے لیے جارہے ہیں اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اگلی دہائیوں میں خواندگی کی شرح فیصد میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔ اگر اسکولوں کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو بہت سے اسکول اچھی تعلیم اور بہتر سہولتیں بھی فراہم کررہے ہیں، اور بچوں کو پڑھانے کے لیے نئی نئی تکنیکوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ اب اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی عمارتوں میں بھی بہت بہتری دیکھنے کو مل رہی ہے۔ لوگوں کے درمیان تعلیم کے رجحان کو دیکھتے ہوئے

اچھے اسکولوں کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے گویا کہ آنے والی نسلوں کے لیے تعلیمی سطح پر اور زیادہ سہولیات اور مواقع ملنے کے امکانات روشن ہورہے ہیں۔

تعلیم کے میدان میں بچوں کو زیادہ سے زیادہ سہولیات کا مہیا ہونا بہت اہم بات ہے، لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ موجودہ زمانے میں تربیت کے پہلو کو نظر انداز کیا جارہا ہے یا پھر اس پر بہت کم توجہ دی جارہی ہے۔ تربیت کے تعلق سے یہ غفلت اسکولوں اور کالجوں میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے اور گھروں میں بھی۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ بچے پڑھ لکھ تو خوب رہے ہیں۔ انگلش بھی فرّاٹے دار بول لیتے ہیں، حساب کتاب میں بھی تیز ہوتے ہیں، جنرل نالج بھی ان کی اچھی ہوتی ہے، کمپیوٹر بھی چلالیتے ہیں لیکن اخلاق اور تہذیبی سطح پر وہ بہت کمزور دکھائی دیتے ہیں۔ لوگوں سے کس طرح بات کرنی چاہیے؟ کس طرح ان کے ساتھ پیش آنا چاہیے، کسی مجلس میں کیسے بیٹھنا چاہیے۔ کھانا کیسے کھائیں، پانی کیسے پئیں، سفر میں کن چیزوں کا خیال کریں، اساتذہ کے سامنے کیسے رہیں، انھیں یا تو معلوم نہیں ہوتا یا اگر وہ اس کا علم رکھتے ہیں تو اس پر وہ عمل کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگ حضرات موجودہ عہد کے بچوں کے بارے میں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ انھیں ادب نہیں آتا، وہ بے سلیقہ ہیں، اخلاق وتہذیب سے ان کا دور دور تک کا بھی رشتہ نہیں ہے۔

موجودہ دور کے بچوں کے بارے میں بزرگوں کا یہ خیال غلط نہیں ہے بلکہ سچائی پر مبنی ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ جب بچے اسکولوں سے باہر نکل رہے ہوتے ہیں تو وہ کتنا شور مچاتے ہیں، راستوں میں کیسی کیسی حرکتیں کرتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں، لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اگر وہ کسی پروگرام میں ہوتے ہیں تو کتنی ہلڑ بازی کرتے ہیں، کلاس میں کیا کیا نہیں کرتے ہیں؟ کلاس روم کی دیواروں پر الٹی سیدھی باتیں لکھ ڈالتے ہیں۔ اساتذہ کا بھی جس طرح ادب کرنا چاہیے نہیں کرتے۔ اس لیے عام طور پر اساتذہ کی زبانوں پر بھی یہی شکایت رہتی ہے کہ آج کل کے بچے بڑے بے ادب ہیں۔ اسکول کی تعلیم حاصل کرکے جب یہی بچے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پہنچتے ہیں تو وہاں اور زیادہ بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر نعرے بازی، توڑ پھوڑ اور اساتذہ کی بے ادبی وبے حرمتی عام بات بن کر رہ گئی ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ بچے بڑی بڑی ڈگریاں لے لیتے ہیں اور کسی عہدے پر پہنچ جاتے ہیں تو وہاں بھی ان کے رویے میں تبدیلی نہیں آتی۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ بڑی بدسلوکی کا مظاہرہ کرتے ہیں، لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا نہیں ہوتا۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ جرائم وغیرہ میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ اگر کرپٹ اور کریمنل لوگوں کی فہرست تیار کی جائے تو ان میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی مل جائے گی جو بارہویں پاس ہوں گے، جو گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ ہوں گے اور جو اس سے بھی آگے کی ڈگریاں رکھتے ہوں گے۔

سوال یہاں یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی وہ بااخلاق، پُروقار، سنجیدہ اور مہذب کیوں نہ بن سکے؟ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے چھوٹوں کے ساتھ مشفقانہ رویہ کیوں نہیں رکھتے، بڑوں کے ساتھ احترام سے کیوں پیش نہیں آتے، کمزوروں کی مدد کیوں نہیں

کرتے، بے سہارا لوگوں کو سہارا کیوں نہیں دیتے اور سماج کے دیگر طبقات کے لیے بہتر کیوں ثابت نہیں ہوتے؟ اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے تعلیم تو حاصل کی مگر انھیں تربیت نہ مل سکی۔ تربیت دینے کا خاص وقت بچپن ہے۔ بچپن میں اگر کوئی تربیت حاصل کر لیتا ہے تو زندگی کے ہر دور میں وہ اچھا انسان ثابت ہوتا ہے لیکن افسوس کہ جس عمر میں بچوں کی تربیت کی جانی چاہیے، اس عمر میں آج کل تو بچوں کی تربیت پر کوئی دھیان ہی نہیں دیا جاتا، نہ گھروں میں اور نہ اسکولوں و تعلیم گاہوں میں۔ جب کہ دونوں ہی جگہ تربیت پر خاص توجہ دی جانی چاہیے۔

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو عملی طور پر وہ طریقے سکھائیں جو انھیں مہذب، با اخلاق اور سلیقہ مند بناتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بڑوں سے کیسے بات کریں، چھوٹوں کے ساتھ کیسے رہیں، بات کریں تو کس طرح کریں، کھانا کھانے اور پانی پینے کا سلیقہ بھی سکھائیں۔ کھانا کھانے میں جلدی نہ کریں، لقمہ چباتے وقت آواز نہ نکالیں، دسترخوان بچھا کر کھائیں۔ پانی پئیں تو پہلے اسے گلاس میں کر لیں، پھر آرام سے ایک ایک گھونٹ کر کے پئیں۔ ڈائریکٹ بوتل یا جگ سے بچوں کو پانی نہ پینے دیں۔ مجلس کے آداب بھی انھیں سکھائیں۔ مہمانوں کا استقبال کرنا، بڑوں سے ہلکی آواز میں بات کرنا، اساتذہ کا احترام کرنا بھی انھیں سکھائیں۔ ایمانداری اور دیانت داری کا بھی انھیں درس دیں۔ صرف زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر انھیں ایماندار اور دیانت دار بنانے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ والدین خود بھی ایماندار ثابت ہوں۔ بولتے وقت دھیان رکھیں کہ سچ ہی بولیں، غیبت و جھوٹ سے بچیں کیوں کہ بچے سب کچھ والدین سے خواہی نہ خواہی سیکھ رہے ہوتے ہیں۔

یہ کام اسکول والوں کو بھی کرنا چاہیے کہ وہ تعلیم کے ساتھ بچوں کی تربیت پر بھی توجہ دیں۔ مثلاً اسکول کی انتظامیہ اور اساتذہ کو اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ پڑھائی کے علاوہ بچے کیا کیا کرتے ہیں؟ کس طرح بات کرتے ہیں، کس طرح کھاتے پیتے ہیں، کس طرح رہتے ہیں۔ اگر اساتذہ بچوں کو بے ادبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھیں تو انھیں اس بات پر ٹوکیں اور پیار و ادب اور حکمت کے ساتھ ان کی اصلاح کریں، اگر وہ راستے میں شور کرتے ہوئے دکھائی دیں تو انھیں ایسا کرنے سے منع کریں۔ کھاتے پیتے ہر چیز پر اساتذہ اور اسکول انتظامیہ کی نظر رہنی چاہیے، ہر معاملے میں انھیں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ کلاس روم میں پڑھا دیا اور بس۔ تربیتی نظام کالجوں کی سطح پر بھی ہونا چاہیے۔ الغرض یہ کہ بچوں کی تربیت بہت زیادہ ضروری ہے، اس کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ پہلے کے لوگ تربیت پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس لیے کہ وہ اس کی اہمیت سے واقف تھے، لیکن آج غالباً صرف تعلیم کو ہی اصل سمجھا جا رہا ہے اور تربیت کو ایک اضافی شے خیال کیا جا رہا ہے، لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔ درست بات یہ ہے کہ جتنی تعلیم ضروری ہے، اتنی ہی تربیت بھی ضروری ہے۔

■

Ishrat Jahan
Mohalla Tandola,
Tanda Rampur- 244925 (U.P)
Mob: 8383818120
myusuframpuri@gmail.com

اے پرندو لوٹ آؤ

(منظر میں کچھ پرندے اور کچھ بچے ہیں، پرندے بستی کے ماحول کی آلودگی سے گھبرائے ہوئے ہیں)

ایک بچہ:
(بستی چھوڑ کر جاتے ہوئے پرندوں سے)

دل ہمارا مت دکھاؤ چھوڑ کر بستی نہ جاؤ
اے پرندو لوٹ آؤ اے پرندو لوٹ آؤ

ایک پرندہ:
(لمبی سانس بھر کر)

شہر ہے پتھر کا جنگل صبح بے کل، شام بے کل
ہے فضاؤں میں کثافت اور پانی میں غلاظت
بار گزرے کھانا پینا ہوگیا دشوار جینا
اک عجب الجھن دھواں ہے
جان کا دشمن دھواں ہے

دوسرا پرندہ:
(مخالف سمت میں اڑتے ہوئے)

ڈھونڈنا ہے آب و دانہ کوئی اچھا سا ٹھکانا
چاہے پچھّم ہو کہ پورب ہوں جہاں محفوظ ہم سب
پر فضا کوئی جگہ ہو باغ ہو، ٹھنڈی ہوا ہو
یوں نہ لالے جان کے ہوں آشیانے شان کے ہوں
درد اپنا کیا بتائیں
ہو کے ہم مجبور جائیں

دوسرا بچہ:

مان جاؤ، مان جاؤ مت قدم ایسا اٹھاؤ
اے پرندو لوٹ آؤ! اے پرندو لوٹ آؤ!!

تیسرا بچہ:

مسئلہ سلجھائیں گے ہم دن نئے دکھلائیں گے ہم
ہم سبھی جائیں گے گھر گھر بات سمجھائیں گے گھر گھر
یہ کثافت دور ہوگی ہر غلاظت دور ہوگی
پھر ہوا متوالی ہوگی ہر طرف ہریالی ہوگی
یوں نہ ہم مجبور ہوں گے
دکھ یہ سارے دور ہوں گے

سب پرندے:

تم جو یہ بیڑا اٹھاؤ
ایسا کچھ کر کے دکھاؤ
پیچھے لیتے ہیں قدم سب
لوٹ کر آتے ہیں ہم سب
لوٹ کر آتے ہیں ہم سب..

■

ماخذ: ماحول نامہ، **شاعر:** متین اچلپوری، **پہلی اشاعت:** 2016، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

عبدالرزاق دل کھولاپوری

لونگ

لونگ کے یوں تو ہیں بہت سے نام
کیجیے آپ استعمال مدام

قرنفل عربی میں بولی جائے
فارسی میں میخک کہلائے

خوشبو تیز اور خوشگوار اس کی
ذائقہ تلخ ہے بہار اس کی

لونگ باورچی خانے کی زینت
سبزی ترکاریوں کو دے لذت

طب یونانی میں ہے اس کا مقام
دورِ حاضر میں بھی ہے اس کا قیام

لونگ کا یارو استعمال رہے
تاکہ بہتر لہو کی چال رہے

■

Abdur Razzaque Dil Kholapuri
Muqam & Post: Kholapur
Teh: Bhatukli
Distt: Amravati-444802 (Maharashtra)
Mob.: 7304485318

وزیر عالم

پیڑ پودے

ہماری زندگی کو ہے ضرورت پیڑ پودوں کی
لگاؤ پیڑ پودے کہ ہو کثرت پیڑ پودوں کی

رہے گا صاف ستھرا ہند کا ماحول ان ہی سے
یہاں چھائے گی ہریالی بدولت پیڑ پودوں کی

انھی پیڑوں پہ آ کر کے پرندے گھر بناتے ہیں
ہمیشہ ہے پرندوں کو بھی حاجت پیڑ پودوں کی

ربر، کاغذ، شکر، سبزی انھیں پیڑوں سے ملتے ہیں
حقیقت میں زیادہ تر ہے وقعت پیڑ پودوں کی

درختوں کو نہ اب کاٹو کہ یہ بھی جان رکھتے ہیں
کرو پیدا دلوں میں تم محبت پیڑ پودوں کی

وزیر آؤ لگائیں پیڑ پودے چار سو ہم بھی
ملے گی ہم کو بھی اک روز راحت پیڑ پودوں کی

■

Md. Wazeer Alam
Madrasa Rahmatul Uloom
Naukatola, Hardiya Raxaul
East Champaran- 845305 (Bihar)
Mob.: 9534443838
mdwazeeralam95@gmail.com

رضاء الرحمن عاکف سنبھلی

بہت خوبصورت ہے میرا وطن

بہتی یہاں پر ہیں گنگ و جمن
بہت خوبصورت ہے میرا وطن

دیر و حرم یاں شوالہ بھی ہے — احمد، امر ہم نوالہ بھی ہے
جام جمنا کا گنگا کا پیالہ بھی ہے — اس کا محافظ ہمالہ بھی ہے
محبت، اخوت ہے اس کا چلن
بہت خوبصورت ہے میرا وطن

اس کی تاریخ دیکھو ہے روشن بہت — تمدن کا اس پہ ہے جوبن بہت
ہیں آباد اس میں نشیمن بہت — مہکتے وفا کے ہیں گلشن بہت
ہیں اس میں محبت کے سروسمن
بہت خوبصورت ہے میرا وطن

اس کے کھیتوں میں دانوں کے بھنڈار ہیں — اس کے شہروں میں حکمت کے انبار ہیں
اس کے ساکن وفادار و خوددار ہیں — اس کے فوجی بھی سرحد پہ تیار ہیں
اس کے صحرا بھی دیکھو ہیں رشک چمن
بہت خوبصورت ہے میرا وطن

اس کے شیدائیوں میں مسلمان ہیں — اس پہ عیسائی ہندو بھی قربان ہیں
وہ تاجر معلم یا دہقان ہیں — سارے ہی اس کے نگہبان ہیں
کب اس کے مقابل ہیں مصروعدن
بہت خوبصورت ہے میرا وطن

اس کا ہر ایک ساکن ہی فعال ہے — اس کا ہر ایک خطہ ہی خوش حال ہے
اس میں ذرہ برابر نہ اشکال ہے — ہے دشمن جو اس کا وہ بدحال ہے
سدا اس میں رہتا ہے عاکف امن
بہت خوبصورت ہے میرا وطن

■

Dr. Raza-ur-Rahman Akif Sambhali
Kashana-e-Akif, Allama Iqbal Street, Miyan Sarai
Sambhal-244302 (UP)
Mob.: 9837826809, akif.sambhali@gmail.com

محمد وکیل علیمی

کتابوں کا موسم

کتابوں کے میلے کا آیا ہے موسم
کتابیں، کتابیں کا ہرسو ہے سرگم

سبھی منتظر تھے یہاں سال بھر سے
کتابیں نہ بک جائیں نکلو بھی گھر سے

ہے ہم میں کتابوں سے عشق اور عادت
خریدوں کتابیں ہے حاصل سعادت

سبھی اہلِ تعلیم میں کھلبلی ہے
کہ سب تشنگانِ ادب کو خوشی ہے

کتابوں سے ہے آج دنیا یہ روشن
نچھاور کریں کیوں نہ ہم ان پہ تن من

سدا نسلِ نو کو یہ نکتہ بتاؤ
کتابوں سے سب کی ہی رغبت بڑھاؤ

یقیناً یہ ہے نیٹ کا دور صاحب
کتابوں کا ہے پھر بھی اک شور صاحب

■

Md. Wakeel
Door Darshan Kolkata
BL. No: 4, H. No: 5, Kankinara
24-Pargs (North) -743126 (West Bengal)
Mob.: 9330126756
wakeelaleemi@gmail.com

اصغر شمیم

بچوں کا پیغام

ہر طرف شمع الفت جلائیں گے ہم
اپنی دھرتی کو جنت بنائیں گے ہم
دوستوں سے کریں گے سدا دوستی
دشمنوں کو بھی اپنا بنائیں گے ہم
اپنی دھرتی اور اپنے وطن کے لیے
سر بھی اپنا خوشی سے کٹائیں گے ہم
دیش اپنا تھا سونے کا چڑیا کبھی
پھر وہی آج بھارت بنائیں گے ہم
ہم بکھرنے نہ دیں گے کبھی دیش کو
ایک ہوکر جہاں کو دکھائیں گے ہم
ہے یہ بچوں کا پیغام سن لیجیے
ذات و مذہب کی دیوار ڈھائیں گے ہم
ہے یقیں دل کو اپنے یہ اصغر شمیم
آج روئے ہیں کل مسکرائیں گے ہم

■

Asghar Shamim
C/o, Baitul Qasim
12/3/H/1- Patwar Bagan Lane
Kolkata - 700009 (West Bengal)
Mob.: 9836224948
asgar.ara@gmail.com

احسان انور

ریل گاڑی

ریل گاڑی ریل گاڑی
کتنی پیاری ریل گاڑی
تیز کتنی چلتی ہے یہ
کب کسی سے ڈرتی ہے یہ
رات دن میں کتنی ساری
ہے گزرتی ریل گاڑی
گھر کے بالکل پاس سے ایسے
کھیلوں پکڑم پکڑی جیسے
سیٹی دے کر مجھے بلائے
نکلوں میں یہ بھاگ جائے
غصہ مجھ کو یہ دلاتیں
ہیں بہت پر مجھ کو بھاتیں
دوست میری بن گئی ہیں
ہاں مگر نٹ کھٹ بڑی ہیں
لال پیلی اور ہری ہیں
کچھ پرانی کچھ نئی ہیں
بچو! ان کے کام نرالے
اس سے بڑھ کر نام نرالے
انّپورنا، راج رانی
بھاگی رتھی کامیانی
کس کے پیچھے کیا کہانی
اس کو بھی تم سمجھو جانی
روزی کتنوں کی جڑی ہے
اِن سے ہی تو برتری ہے
آن اپنی ریل گاڑی
شان اپنی ریل گاڑی

■

Md. Ehsan Anwer
Dilawarpur Kali Tazia
Near lalu Kirana Store
Ward No: 24
Munger- 811201 (Bihar)

شاد اعظمی ندوی

موبائل یا بلا؟

یہ موبائل ہے یا کوئی بلا ہے
جسے دیکھو وہی اُلٹا پڑا ہے

کسی سے کوئی کرتا ہی نہیں بات
کہ جیسے ایک دوجے سے خفا ہے

کبھی اسکرین پر چلتی ہے انگلی
کبھی کانوں کے پردے سے لگا ہے

گزر جاتا ہے سب بیکار میں وقت
جو لکھنا پڑھنا تھا وہ سب پڑا ہے

نظر اسکرین سے ہٹتی نہیں ہے
یہ کیسا سب کو اک چسکا لگا ہے

شعور و فہم سے عاری ہوں جیسے
گہن ذہنوں کو گویا لگ گیا ہے

نجانے لوگ کیا کرتے ہیں اس میں
خدا جانے یہ سب کو کیا ہوا ہے

ہمیں دنیا جہاں کی سب خبر ہے
کسے حالت کا اپنی خود پتا ہے

ادھر ابو بھی ہیں اس کے گرفتار
ادھر امی کو بھی پھندا لگا ہے

ادھر بھیا بھی گیموں میں مگن ہیں
ادھر اپی پہ بھی جادو چلا ہے

خدایا مجھ کو موبائل کے شر سے
بچا لے شاد کی تجھ سے دعا ہے

■

Shad Azmi Nadwi
Jamia Islamia, Muzaffarpur
Azamgarh- 276302 (UP)
Mob.: 9935628735
shaadazminadwi@gmail.com

کہانی

بارہ مہینوں کی کہانی

"**ڈیڈی!** کیا جب سے یہ دنیا بنی تب سے یہ کلینڈر ہے؟" منے میاں نے پوچھا۔

"نہیں بیٹے! پہلے گھڑی بنی پھر کلینڈر بنا"

"ذرا تفصیل سے بتائیے..."

"تم نے وہ سٹی گارڈن میں رکھی ہوئی دھوپ کی گھڑیاں دیکھی ہیں نا؟ پہلے اسی طرح وقت گنا جاتا تھا۔ پھر گھنٹے بنے پھر دن پھر مہینہ اور پھر سال۔ تمھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ پہلے سال کے 304 دن تھے اور صرف دس مہینے۔ سال کا پہلا مہینہ مارچ سے شروع ہوتا تھا۔ رومن بادشاہ 'نیوما پامپلس' نے سال میں دو مہینوں کا اضافہ کیا جنوری کو گیارہواں مہینہ اور فروری کو بارہواں مہینہ بنایا۔ اس سے پہلے فروری کے تیس دن تھے جولیس سیزرس نے ایک دن کم کر کے پانچویں مہینے میں ایک دن کا اضافہ کیا اور اسے اپنا نام دیا "جولائی" (پہلے یہ پانچواں مہینہ تھا)

"کیا ہر مہینے کے نام کی کوئی وجہ ہے؟"

"جی ہاں ضرور ہے۔"

"تو آپ بارہ مہینوں کی کہانی سنائیے۔"

"دیکھو! غور سے سننا اور بیچ میں بولنا نہیں..."

"ہم بالکل چپ رہیں گے..."

"شاباش! کہا جاتا ہے کہ 'جنوری' یہ نام قدیم رومن دیوتا 'جینس' Jenus کے نام پر رکھا گیا ہے، اس دیوتا کے دو منھ تھے ایک ماضی (گزرا ہوا زمانہ) کی طرف اور دوسرا مستقبل (آنے والا زمانہ) کی طرف تھا۔

'فروری' یہ نام پرانے لیٹین لفظ 'فیبر واسس' سے لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے 'پاک کرنا'۔ کہا جاتا ہے کہ جب مارچ پہلا مہینہ تھا (پرانے دس مہینوں کے سال میں) اور فروری آخری مہینہ تب رومن لوگ پاک صاف ہونے کا جشن مناتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ نئے سال (اس

زمانے میں مارچ مہینہ سے نئے سال کی شروعات ہوتی تھی) کا استقبال 'پاک وصاف' ہوکر کرنا چاہیے۔

'مارچ' مہینے کا نام 'مارس' دیوتا کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ جنگ کا دیوتا ہے اور ساتھ ہی زراعت کا دیوتا۔ یہ بہت غصیلا سمجھا جاتا ہے۔ اس کی داڑھی بہت لمبی ہے، ہاتھ میں بھالا اور ڈھال تھامے یہ کھڑا رہتا ہے۔ اس زمانے میں روم کے کسان اس کی پوجا کرنے کے بعد ہی کھیتی کا کام شروع کرتے تھے، وہاں مارچ سے برسات کا موسم شروع ہوتا تھا۔

'اپریل' یہ نام لیٹین زبان کے لفظ 'اپرائز' سے لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے 'آغاز کرنا' رومن لوگ یکم اپریل کو 'آل فولز ڈے' (بے وقوفوں کا دن) مناتے تھے۔ دنیا کے ہر ملک میں آج بھی اپریل فول منانے کا رواج ہے۔

''مئی یہ مہینہ رومن دیوی 'منے یا' کے نام سے منسوب ہے یہ دیوتا 'الٹاس' کی بیٹی ہے جس نے اپنے کندھوں پر زمین اٹھا رکھی ہے۔

'جون' یہ نام جوپیٹر دیوتا کی رانی 'جونو' کے نام سے رکھا گیا ہے جو جنت کی رانی مانی جاتی ہے اور اس کا رتھ خوبصورت مور چلاتے ہیں۔

''جولائی، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے 'جولیس سیزر' کے نام سے منسوب ہے۔

'اگست' روم کے بہادر راجہ 'آگسٹس' کے نام سے منسوب ہے۔ پہلے جب یہ چھٹا مہینہ تھا اس کا نام تھا 'ساکٹسلس' دو مہینوں کے اضافے کے بعد یہ آٹھواں مہینہ بنا اس لیے نام میں تبدیلی ہوئی۔

'ستمبر کا مطلب ہے 'ساتواں' اور 'اکتوبر' کا مطلب ہے 'آٹھواں'۔ سال میں دو مہینوں کے اضافے کے باوجود ان کے نام پرانے ہی قائم رہے، کسی نے اس کے نام تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ 'نومبر' اور 'دسمبر' کا بھی یہی حال ہے۔ ان کا مطلب بھی نواں اور دسواں ہی ہے جواب تک دنیا میں قائم ہیں۔''

''ڈیڈی! ایک آئیڈیا ہے...' منے میاں کچھ سوچ کر بولے کہ ''ستمبر سے دسمبر تک مہینے خالی ہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ ستمبر کو دادی اماں کا نام اکتوبر کو آپ کا نومبر کو ممی کا اور دسمبر کو میرا نام۔''

نہیں بیٹے! یہ ممکن نہیں 1582 میں 'گریگری' نے صحیح کلینڈر بنایا جو آج تک استعمال ہوتا ہے اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔

''تب میں نیا کلینڈر بناؤں گا''

''بہت اچھا خیال ہے'' ڈیڈی بولے ''جب تک تم منے میاں سے منور حسین خان بن جاؤ گے اور اس کلینڈر کا نام ہوگا منور کلینڈر...'

منے میاں خوشی سے اچھلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگے شاید نیا کلینڈر بنانے کا کام انھوں نے ابھی سے شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے ''جو کل کرنا ہے وہ آج کر اور جو آج کرنا ہے وہ ابھی...'' دنیا میں سب سے قیمتی شے وقت ہے اور وقت گزر جانے کے بعد واپس نہیں آتا۔

■

ماخذ: نیا کلینڈر اور دوسری کہانیاں

مصنف: قاضی مشتاق احمد، **سنہ اشاعت**: 2022

کہانی

ابو طالب انصاری

بوجھ

آج ماسٹر دینا ناتھ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یہ ان کا دوسرا بیٹا اور تیسری اولاد ہے۔ بڑا بیٹا راہل 10 سال کا جبکہ بیٹی رنجنا 7 سال کی ہے۔ پورا گھر خوش ہے اور ماسٹر صاحب تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ہیں کہ بھگوان نے انھیں دو بیٹے دے دیے۔ دونوں بچے صحت مند ہیں مگر یہ بچہ کمزور ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں نرم ہیں اور گردن بھی ڈھیلی ہے۔ خیال ہوا کہ مالش سے ٹھیک ہو جائے گا لیکن عمر بڑھنے کے ساتھ اس میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ اب وہ پانچ سال کا ہو چکا ہے مگر نہ ٹھیک سے بیٹھ پاتا ہے اور نہ ہی بول پاتا ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق وہ سست ہے۔ دوسرے بچوں کے مقابلے میں سارے کام دیر سے کرے گا لیکن کسی حادثے یا صدمے کی صورت میں تیزی آسکتی ہے۔ مگر ممتا کب یہ سب مانتی ہے۔ ماسٹر صاحب 'واکر' لے آئے اور ایک چھوٹی گاڑی بھی بنوا دی تاکہ وہ چلنے لگے۔ ماسٹر صاحب کی اہلیہ نے مندر میں ماتھا ٹیکا، مزاروں پر چادر چڑھائی مگر اس کی حرکتوں میں تیزی نہیں آئی۔

رنجنا چھوٹے بھائی سمیر سے بہت خوش تھی۔ اس کی مالش کرتی، نہلاتی، کھانا کھلاتی۔ راہل بھی سمیر سے خوش تھا کہ اب وہ دو بھائی ہو گئے ہیں اپنے والد کے دو بازو جیسے۔ لیکن وقت بیتتا گیا اور سمیر کی نشوونما نہیں ہو پائی۔ وہ اپنے پیروں پر بمشکل کھڑا ہو پاتا تھا۔ باتیں بھی تتلا تتلا کر کرتا تھا جو بڑی مشکل سے سمجھ میں آتی تھیں۔ راہل اسے سہارا دے کر اور کبھی گود میں لے کر باہر گھمانے لے جاتا۔ کچھ دن تک تو ٹھیک رہا مگر جب وہ دیکھتا کہ دوسروں کے بھائی خوبصورت اور ہوشیار ہیں تو اسے شرم محسوس ہوتی کہ اس کا بھائی کم دماغ اور معذور ہے۔ اسی لیے اب وہ سمیر کو باہر لے جانے سے کترانے لگا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب وہ باہر جانے کے لیے تیار ہوتا تو سمیر بھی اس کی طرف التجا بھری نظر سے دیکھنے لگتا اور کبھی ساتھ جانے کے لیے رونے بھی لگتا۔ ماں کہتی بیٹا راہل، سمیر کو بھی ساتھ لے جا، اسے بھی باہر گھما لا۔ راہل نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے ساتھ لے جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ اسے گارڈن لے جا کر گھاس پر چھوڑ دیتا، جہاں وہ دوڑنے کی کوشش میں گر پڑتا اور کبھی تو وہ باہر لے جا کر رنجنا کے حوالے کر دیتا۔ وہ اسے سنبھالتی اور بڑے پیار سے کھلاتی تھی۔

آج راہل کا کرکٹ میچ تھا۔ جیسے سے ہی وہ تیار

ہو کر جانے لگا سمیر بھی پیچھے لگ گیا۔ ماں نے راہل سے کہا اسے بھی ساتھ لے جا۔ ماں! وہ کیا کرے گا وہاں جا کر ہمارا میچ ہے۔ اسے ایک کونے میں بٹھا دینا، دیکھ کتنے پیار سے دیکھ رہا ہے تجھے۔ تو اس کا بڑا بھائی ہے۔ رنجنا نے بھی ماں کی ہاں میں ہاں ملائی لے جاؤ نا بھیا اسے بھی، تھوڑا اس کا بھی دل بہل جائے گا۔ راہل کو بہت غصہ آ رہا تھا کہ ہمیشہ سایے کی طرح پیچھے لگا رہتا ہے میں کہیں جا نہیں سکتا۔ آخر یہ کیا کرے گا وہاں جا کر؟ میں کھیلوں گا کیسے؟ اور سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ دوست اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ پاگل کا بھائی کہتے اور 'ایا' کہہ کر چڑھاتے ہیں۔ سمیر تتلا کر بولتا تھا اور راہل کو بھیا کے بجائے 'ایا' کہتا تھا۔ دل پر جبر کر کے راہل نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دھیرے دھیرے چلنے لگا۔ راہل غصے سے بھرا ہوا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے رفتار بڑھا دی مگر سمیر چل نہیں پا رہا تھا۔ راہل نے اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر سمیر پیروں میں سختی کی وجہ سے چل نہیں پا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا بھیا میرے پیروں میں درد ہو رہا ہے۔ مگر راہل اسے مسلسل گھسیٹتے ہوئے لیے جا رہا تھا۔ اچانک وہ گر پڑا۔ روتے روتے وہ کہہ رہا تھا بھیا بہت درد ہو رہا ہے مگر راہل گراؤنڈ کے ایک کونے میں اسے چھوڑ کر کھیل میں مصروف ہو گیا۔

سمیر کے پیر میں چوٹ لگ گئی تھی۔ کئی دن تک مرہم پٹی ہوئی تب جا کر زخم ٹھیک ہوا۔ مگر اب بھی اس کی عادت تھی جیسے ہی کوئی باہر جاتا وہ بھی باہر جانے کی ضد کرنے لگتا۔ راہل نے سوچا کہ اس طرح اسے گھسیٹنا اور اس پر جبر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر اس کے پیر کی مالش ہو تو اس کا پیر مضبوط ہو جائے گا۔ چلنے لگے گا تو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلے گا اور میرا پیچھا چھوڑ دے گا۔ اس میں سمیر کے ساتھ ہمدردی کم اور اپنا مفاد زیادہ تھا۔ راہل سمیر کے پیروں میں تیل کی مالش کرتا تو اس کی والدہ نہال ہو جاتی کہ کس طرح راہل چھوٹے بھائی کا خیال رکھتا ہے۔ وقت کے ساتھ سمیر اب بہتر طور پر چلنے اور بولنے بھی لگا تھا۔ راہل آج دوستوں کے ساتھ سوئمنگ پول جا رہا تھا۔ اس کی تیاری دیکھ کر سمیر بھی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سمیر کو لے جانا پڑا۔ سوئمنگ پول میں پورا وقت وہ اسی کے پیچھے لگا رہا۔ وہ سوئمنگ نہیں کر پایا جبکہ اس کے دوست خوب انجوائے کر رہے تھے۔ دوستوں میں دونوں خوب تفریح کا موضوع بنے۔ راہل گھر واپس آیا تو غصے میں تھا مگر ماں اور بابوجی کے سامنے وہ بے بس ہو جاتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس مصیبت سے کیسے نجات پائے۔ آخر کار اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آ ہی گیا۔

دوپہر کا وقت تھا، راہل سوئمنگ پول جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ سمیر اسے مسلسل دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بیگ اٹھا کر جانے لگا۔ سمیر نے کہا بھیا میں بھی چلوں گا۔ منصوبہ کے مطابق راہل نے سمیر کو ساتھ لے لیا۔ کافی دور چلنے کے بعد سمیر نے کہا بھیا ہم کہاں جا رہے ہیں، یہ تو سوئمنگ پول کا راستہ نہیں ہے۔ ہم دوسرے پول پر جا رہے ہیں جہاں بہت مزہ آئے گا۔ سمیر یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ راہل اسے گاؤں کے باہر تالاب پر لے گیا۔ وہاں سناٹا تھا اور ان کے سوا کوئی نہیں تھا۔ سمیر نے کہا بھیا تم مجھے کہاں لے کر آ گئے؛ یہ تو تالاب ہے۔ یہاں نہانے اور غوطہ لگانے میں بھی بہت مزہ آئے گا۔ میرے دوست تمہارا مذاق

اڑاتے ہیں اسی لیے انھیں بتائے بغیر ہم یہاں آگئے ہیں۔ دیکھو اس میں کتنی بڑی بڑی مچھلیاں ہیں۔ سمیر نے جیسے ہی تالاب میں جھانک کر دیکھنا چاہا، راہل نے اسے زور سے دھکا دیا اور تیزی سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اسے لگا کہ تالاب میں موجود مگر مچھ تھوڑی دیر میں اسے نگل جائے گا۔ سمیر مگر مچھ کی پیٹھ پر دھپ سے گرا۔ اسے لگا کسی نے اس پر حملہ کر دیا ہے۔ اس نے پیٹھ کو زور سے جھٹکا۔ یہ جھٹکا اتنا زور کا تھا کہ سمیر مگر مچھ کی پیٹھ سے اچھل کر تالاب کے کنارے گرا۔ مگر مچھ سمیر کو پکڑنے کے لیے تیزی سے لپکا۔ سمیر تیزی سے اٹھا، وہ راہل کو دیکھ رہا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ اتنی دیر میں مگر مچھ تالاب کے باہر آچکا تھا۔ سمیر خوف کے مارے تیزی سے بھاگا، کچھ دور جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ دوڑ سکتا ہے۔ خوف نے اسے ٹھیک کر دیا اور اب وہ دوڑ سکتا ہے۔ اس نے پلٹ کر راہل کو دیکھنا چاہا۔ وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں راہل تالاب میں تو نہیں گر گیا؟ مگر مچھ نے اسے لقمہ تو نہیں بنا لیا۔ راہل بھیا کتنے اچھے ہیں؛ انہی کی وجہ سے میں اچھا ہو گیا۔ اگر وہ مجھے یہاں نہیں لاتے تو میں کبھی دوڑ نہیں سکتا۔ سمیر جیسے ہی گھر پہنچا راہل اسے دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ سمیر راہل سے لپٹ گیا۔ بھیگی آنکھوں سے وہ کہہ رہا تھا بھیا تم کتنے اچھے ہو، تمھاری وجہ سے میں دوڑنے لگا۔ بھیا تالاب میں جھانکتے ہوئے میرا پیر پھسل گیا تھا اور میں تالاب میں گر گیا۔ راہل خاموشی سے سب سن رہا تھا۔ ان کے والدین اور رنجنا سبھی خوش تھے اور راہل کی طرف ممنونیت سے دیکھ رہے۔ سمیر کہہ رہا تھا بھگوان تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میرے بھائی کی حفاظت کی۔ راہل کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے افسوس اور پچھتاوے کے مگر اسے صرف وہی جانتا تھا۔

■

Dr. Abu Talib Ansari
187, Ghori Para
Bhiwandi - 421308 (Maharashtra)
Mob.: 9823755795
drabutalibansari@gmail.com

تنویر اختر رومانی

یہ دوستی ہم نہیں چھوڑیں گے

حمید ساتویں کلاس کا سب سے شریر لڑکا تھا، نئی نئی شرارتیں کرنا، کمزور بچوں کو ستانا، اساتذہ کا مذاق اڑانا وغیرہ اس کے خاص مشغلے تھے۔کلاس کے تقریباً سبھی طلبا اس کا ساتھ دیتے تھے۔اس کی دو وجہیں تھیں۔ایک تو اس کی بے جا دھونس، دوسرے وہ گھر سے پیسے چرا کر لاتا تھا اور دوستوں کے ساتھ خوب مزے کرتا تھا۔اگر کلاس میں کوئی لڑکا اس کا ساتھ نہیں دیتا تھا تو وہ جاوید تھا، جو ایک غریب ،شریف، محنتی اور ذہین طالب علم تھا۔اس کی شرافت اور ذہانت کی وجہ سے ہی حمید اس سے حسد کرنے لگا تھا۔ اساتذہ جاوید کو اس کے نیک کردار کی وجہ سے بہت مانتے تھے۔ یہ بات حمید کو بالکل بھی پسند نہیں تھی کہ اساتذہ جاوید کو اور اس کے کام کو ہمیشہ سراہتے تھے۔وہ برابر اسے نیچا دکھانے کی ترکیبیں سوچا کرتا تھا۔

ایک دن پہلے گھنٹے (پیریڈ) میں جب کلاس ٹیچر کرسی پر بیٹھے تو اچانک 'پٹاخ پٹاخ' کی آواز کرسی کے نیچے سے آئی۔ ٹیچر اچھل پڑے، جس سے انھیں چوٹ لگ گئی۔کلاس کے سب لڑکے ان کی بدحواسی پر ہنس پڑے۔ لیکن جاوید ہمدردی بھری نظروں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔

''کس نے رکھا تھا پٹاخہ؟'' ٹیچر نے گرج کر پوچھا۔

سب لڑکوں کی نظریں جاوید کی طرف اٹھ گئیں۔

''یہ جاوید کی حرکت ہے سر!'' حمید نے بتایا اور تائید کے لیے سب لڑکوں کی طرف دیکھا۔سب شریر لڑکے اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

جاوید اس جھوٹے الزام پر بوکھلا گیا۔اس نے کہا۔ ''یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔''

''گیٹ آؤٹ!...فوراً کلاس سے باہر نکل جاؤ!'' ٹیچر اس کی بات سننے کو تیار نہ تھے۔

''سر پٹاخہ میں نے نہیں رکھا تھا۔'' جاوید کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔مگر اسے باہر جانا ہی پڑا۔

حمید بہت خوش تھا کہ آج ساری شرافت نکال دی۔ استاد کی نظروں میں خوب خوار ہوا۔

حاضری لینے کے بعد ٹیچر نے کہا۔''آج مہینے کی پندرہ تاریخ ہے....کون کون فیس لایا ہے؟....حمید تم نے پچھلے چار مہینوں کی فیس جمع نہیں کی ہے۔''

''سر! ابّو باہر گئے ہوئے ہیں...آتے ہی جمع کر دوں گا۔'' حمید صاف جھوٹ بولا۔اسے گھر سے ہر مہینے فیس کی

رقم مل جاتی تھی، لیکن وہ اس رقم سے دوستوں کے ساتھ مزے کرتا یا چاٹ وغیرہ کھا لیتا تھا۔ وہ سوچتا کہ جب امتحان کا وقت آئے گا تو درخواست دے کر ہیڈ ماسٹر سے ساری فیس معاف کرا لے گا۔

○○○

پہلا پیریڈ ختم ہونے کے بعد جاوید کلاس میں داخل ہوا۔ سارے وقت وہ اداس ہی رہا۔ چھٹی ہوئی تو وہ اداس چہرہ لیے گھر کی طرف چل پڑا۔

”اے جاوید سنو!“ پیچھے سے آواز آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو حمید چار پانچ لڑکوں کے ساتھ اس کی طرف آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ ”ارے یار، کیوں اداس صورت لے کر جا رہے ہو.... کلاس سے نکالے گئے تھے تو کیا ہوا، اسکول سے تو نہیں نکالے گئے نا؟“

جاوید کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔ ”چلو، چل کر آج جے رام کے باغ میں امرود کھایا جائے.... ساری اداسی دور ہو جائے گی۔“

”نہیں، میں نہیں جاؤں گا۔“ جاوید نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”وہ نہ تو میرا باغ ہے اور نہ میرے خاندان کا .... میں چوری کی چیز کھانے سے نفرت کرتا ہوں۔“

”اونہہ!.... تمہاری اسی شرافت سے تو....“ حمید نے کہا اور نفرت سے منہ سکوڑ کر اپنے ساتھیوں کا لیڈر بنا ہوا جے رام کے باغ کی طرف چلا گیا۔ اور جاوید اسی طرح غمگین اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

○○○

جے رام کے باغ کے پاس پہنچ کر حمید اور اس کے ساتھی احاطے کی دیوار پر چڑھ گئے۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ باغ میں مالی نہیں ہے تو وہ دوسری طرف کود گئے اور درختوں پر چڑھ کر جلدی جلدی امرود توڑنے لگے۔ کچھ امرود انھوں نے بستوں میں بھرے، کچھ جیبوں اور کچھ پیٹ میں۔

باغ کا مالی ایک پیڑ کے نیچے سو رہا تھا۔ لڑکوں کی دھا چوکڑی سے اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے ڈپٹ کر لڑکوں کو للکارا۔ مالی کو لاٹھی لے کر آتے دیکھ کر سبھی لڑکے دیوار پھاند کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حمید بھی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کودنا ہی چاہتا تھا کہ دیوار کی ایک اینٹ اکھڑ گئی اور وہ سات آٹھ فٹ اونچی دیوار سے پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اُکھڑی ہوئی اینٹ آ کر اس کے سر پر گری۔ وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ مالی نے باہر نکل کر دیکھا کہ سارے لڑکے فرار ہو چکے ہیں اور حمید زمین پر پڑا ہے اور اس کے سر کے چاروں طرف خون ہی خون ہے۔ مالی اسے پہچانتا تھا، اس لیے اس نے فوراً جا کر اس کے گھر والوں کو خبر کر دی۔

○○○

دوسرے دن جاوید کلاس میں آیا تو خاموشی سے سب سے پیچھے بیٹھ گیا۔ حمید اسکول نہیں آیا تھا۔ کلاس ٹیچر نے آ کر کہا۔ ”ایک نوٹس ہے.... بیس تاریخ تک جس لڑکے کی پوری فیس ادا نہ ہوگی اسے سالانہ امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی.... اس لیے جن لڑکوں کی فیس باقی ہے وہ بیس تاریخ تک جمع کر دیں۔“

جاوید یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ حمید اسکول کیوں نہیں آیا۔ اس نے حمید کے جگری دوست عرفان سے پوچھا تو جواب ملا۔ ”پتا نہیں، شاید فلم دیکھنے چلا گیا ہو۔“

مگر جاوید کو تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے چھٹی کے بعد اس کے گھر جاکر پوچھا تو اسے معلوم ہوا کہ حمید سرکاری اسپتال میں داخل ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ حمید کل جے رام کے باغ میں گیا تھا۔ ضرور وہیں کوئی گڑبڑی ہوئی ہوگی۔

○○○

حمید کو ایک بوتل خون چڑھایا گیا کیونکہ اس کے سر سے کافی خون نکل چکا تھا۔ سر میں ٹانکے بھی لگائے گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ ہوش میں آیا تو اس کے والدین نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہوش میں آنے کے بعد حمید نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا، پھر پاس بیٹھی امّی سے پوچھا۔

''میں کہاں ہوں؟ عرفان کہاں ہے؟''

''کون عرفان؟... تم اسپتال میں ہو... کل سے تم بے ہوش تھے...''

''عرفان بھی تو میرے ساتھ تھا۔'' حمید نے دھیمے سے کہا۔

''میں نہیں جانتی کہ عرفان کون ہے.... ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک لڑکا تمھاری خیریت پوچھنے آیا تھا...''

''عرفان ہی ہوگا.... وہ میرا جگری دوست ہے....''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ نرس وہاں آ پہنچی۔ اس نے ایک قلم حمید کی ماں کو دیتے ہوئے کہا۔ ''جو لڑکا حمید سے ملنے آیا تھا اس کا قلم چھوٹ گیا ہے۔''

قلم دیکھ کر حمید چونک پڑا اور بولا۔ ''ارے یہ قلم تو جاوید کا ہے۔''

اور پھر اس کے دماغ میں سنّاٹا چھا گیا۔ ''جاوید میری خیریت دریافت کرنے آیا تھا؟ جاوید، جسے میں نے ذلیل کیا تھا، جسے میں نے نیچا دکھایا تھا.... وہ تو آیا لیکن میرے دوسرے دوست نہیں آئے ؟ کوئی میری خیریت بھی پوچھنے کے لیے نہیں آیا؟ وہ سب تو جان تک دینے کو کہتے تھے.... بے چارہ جاوید!'' یہ سب سوچ کر حمید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

○○○

ایک ہفتے کے بعد حمید اسپتال سے لوٹا۔ اب وہ بہت حد تک ٹھیک ہو چکا تھا مگر سر پر ابھی تک پٹّی بندھی تھی۔ دوسرے دن وہ اسکول پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ جاوید نہیں آیا ہے کیوں کہ وہ بیمار ہے۔ کلاس میں جب حمید کے سبھی ساتھی اس کی طرف بڑھے تو اس نے بڑی بے رخی سے انہیں جھڑک دیا۔ پہلے پیریڈ میں ریاضی کے ٹیچر آئے تو حمید کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''سر، میں اپنی اس دن کی حرکت پر شرمندہ ہوں.... پٹاخے میں نے ہی رکھے تھے.... جاوید پر جھوٹا الزام لگایا تھا.... سر، میں نے بہت بڑی غلطی کی تھی.... مجھے آپ جو سزا دینا چاہیں میں تیار ہوں۔''

ٹیچر یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کا شانہ تھپک کر کہنے لگے۔ ''بیٹے! تم نے جس جرأت سے اپنے جرم کا اعتراف کیا ہے اس سے میرے دل میں تمہاری قدر بڑھ گئی ہے.... میں تمھیں معاف کرتا ہوں.... حمید نے کہا کہ میں جاوید سے بھی معافی مانگوں گا اور آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

■

Tanwee Akhtar Roomani
59, Chuna Shah Colony
P.O.: Maango, Jamshedpur-831012
Contact No.: 7004384853

فوزیہ حبیب

چارہ گر

"امی! مجھے بریک ٹائم میں برگر لینے کے لیے پیسے چاہیے" ثانیہ کا روز کا معمول بن گیا تھا۔

"تمھارے ابو ڈرائی فروٹس لے کر آئے ہیں وہی لے کر جاؤ" امی نے پیسے دینے سے صاف منع کر دیا۔

"میری دوست مذاق اڑاتی ہیں کہ میں پرائمری اسکول کے بچوں کی طرح اسنیکس (Snacks) گھر سے لاتی ہوں"

"ہاں تو کیا ہوا؟ کینٹین کی الم غلم چیزوں سے بہتر گھر کی چیزیں ہوتی ہیں۔"

"امی میں نائنتھ کلاس میں آ گئی ہوں بڑی ہو گئی ہوں۔"

امی نے ثانیہ کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا۔ امی کی شروع سے عادت تھی کہ وہ اپنے تینوں بچوں کو اسکول کے لیے پیسے نہیں دیتی تھیں۔ لنچ اور اسنیکس وہ گھر سے ہی دیتی تھیں۔ ثانیہ بڑی تھی اس سے چھوٹے دو بھائی تھے۔ جواد ساتویں جماعت میں تھا اور چھوٹا فواد چوتھی میں پڑھ رہا تھا۔ ثانیہ کا اسکول الگ تھا۔ جواد اور فواد دونوں چھوٹے تھے جو بھی امی اسنیکس دیتی تھیں وہ لے کر چلے جاتے لیکن اب کچھ دنوں سے ثانیہ کی دیکھا دیکھی جواد بھی ضد کرنے لگا تھا کہ اسے بھی کینٹین کے لیے پیسے چاہیے۔ امی پزا اور برگر کے خلاف نہ تھیں۔ ابو کبھی کبھی شام میں پزا، برگر اور فرنچ فرائز وغیرہ لے کر آتے تھے۔ امی بچوں کے ہاتھ میں پیسے دینے کے خلاف تھیں۔ ابو نے ثانیہ کی حمایت کی تو امی نے کہا۔

"ہمارے زمانے میں نہ کینٹین ہوتا تھا اور نہ ہی ہماری اماں پیسے دیتی تھیں جو بھی کھانا ہوتا گھر میں بنا کر دیتی تھیں۔"

"اب زمانہ بدل گیا ہے۔ تھوڑی بہت رعایت تو دینی چاہیے۔"

ابو کے سمجھانے پر امی اب کبھی کبھار ثانیہ کو پیسے دے دیتیں اور ساتھ میں ڈھیروں نصیحت اور تاکید کرتی تھیں۔

"فرائیڈ (Fried) چیزیں مت کھانا اور مسالے دار چیزوں سے بھی دور رہنا۔"

ثانیہ سر ہلا دیتی لیکن جب اس کی دوست چٹ پٹی چیزیں اور برگر وغیرہ خرید کر کھاتیں تو وہ بھی شامل ہو جاتی۔

اس دن ثانیہ اسکول سے واپس آئی تو نڈھال سی لگ رہی تھی۔ امی نے پیشانی چھو کر دیکھا تو بخار نہ تھا، لیکن وہ آتے ہی بستر پر دراز ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس

کے پیٹ میں زور کا درد اٹھا اور پھر باتھ روم میں اس کے پھیرے لگنے شروع ہوگئے۔ دو مرتبہ قے بھی ہوئی۔ امی ابو اسے لے کر قریبی کلینک گئے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اسے فوڈ پوائزننگ ہوئی ہے اور ڈرپس لگا کر بھیج دیا۔ رات میں پھر ثانیہ کی طبیعت خراب ہوئی۔ وومیٹنگ (vomiting) کر کر کے وہ نڈھال ہوگئی تھی۔ صبح پھر ہسپتال لے کر جانا پڑا۔ ڈاکٹر نے اسے ایڈمٹ کر لیا اور رات دس بجے کے قریب ڈسچارج ہو کر گھر آئی۔ امی نے اسے زبردست ڈانٹ پلائی اور کہا:

”یہ سب باہر کے کھانے کا نتیجہ ہے۔ کتنی بار کہا ہے کہ گھر سے اسنیکس لے کر جایا کرو۔ الم غلم چیزیں کھا کر صحت بھی خراب ہوگئی اور پریشانی الگ اٹھانی پڑی۔“

ثانیہ کان دبائے سنتی رہی۔ دو دن اسکول سے چھٹی کرنے کے بعد وہ اسکول گئی۔ امی نے اس کے لیے پرہیزی کھانا لنچ کے لیے بنوا کر دیا تھا اور بریک ٹائم کے لیے گلوکوز کا پانی۔ وہ ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے آئی تھی اور اب بریک ٹائم میں پانی پی رہی تھی۔ اس کی دوستوں نے اسے کینٹین چلنے کی آفر کی تو اس نے منع کر دیا۔

”ارے یار کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے ساتھ تھوڑا کھالو۔“

”امی نے مجھے پیسے بھی نہیں دیے۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہم شیئر (Share) کر کے کھالیں گے۔“

سب مل کر کینٹین چلے گئے اور پانی پوری کا آرڈر دیا۔ ثانیہ گول گپے منھ کی طرف لے جا رہی تھی کہ اچانک اسے امی کی سرزنش کرتی نگاہیں یاد آگئیں۔ امی نے سختی سے تاکید کی تھی کہ اس کے بعد وہ کینٹین کی چیزیں نہیں کھائے گی۔ اس کا ہاتھ رک گیا اس نے گول گپے واپس رکھ دیے اور اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ اس کی سب دوست پکارتی رہ گئیں۔ ثانیہ کو امی نے ایک ڈیڑھ ماہ تک پیسے نہیں دیے۔ اس کے بعد وہ کبھی کبھار ضد کر کے لے جانے لگی۔ جواد بھی پیسے لے کر جاتا۔ اب ثانیہ میٹرک میں آگئی تھی جواد آٹھویں میں اور فواد پانچویں میں تھا۔ کچھ دنوں سے جواد اسکول کے لیے لگاتار پیسے لے کر جا رہا تھا۔ امی نے ڈانٹا بھی کہ الم غلم چیزیں کھا کر پیٹ خراب ہو جائے گا لیکن وہ نہ مانا۔ اس دن جواد کے اسکول سے کال آئی کہ والدین آ کر پرنسپل سے ملیں۔ ابو اور امی فکرمند ہوگئے۔ پیرنٹس میٹنگ بھی نہیں تھی بلاوجہ تو اسکول سے کال نہیں آئی ہوگی۔ یہی سوچتے ہوئے اسکول کے لیے روانہ ہوگئے۔

ان کے علاوہ پانچ بچوں کے والدین کو بھی بلایا گیا تھا۔ تین بچے میٹرک میں تھے اور دو جواد کے ہم جماعت تھے۔ پرنسپل صاحب نے والدین کو مخاطب کر کے کہا کہ ”بڑے افسوس کے ساتھ مجھے یہ اطلاع دینی ہے کہ آپ کے بچوں کو سسپنڈ (suspend) کیا جاتا ہے۔“

”کیا؟ لیکن کیوں؟“ ملی جلی آوازیں کمرے میں گونجیں۔

”بغیر کسی وجہ کے آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟" ایک بچے کے والد کو غصہ آگیا۔

”وجہ ہے اور بہت بڑی ہے“

”آپ صاف صاف بتائیے کیا ہوا ہے؟“

”آپ کے بچوں نے سگریٹ پینی شروع کر دی ہے“

”کیا؟“ امی ابو کو زبردست جھٹکا لگا۔

”ہاں اور یہ بات مجھے کل ہی پتہ چلی ہے۔“

’’آپ کی ذمے داری ہے کہ بچوں پر اسکول میں نگاہ رکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کیا نہیں۔‘‘ ایک والدہ نے پرنسپل کو کھری کھری سنائی۔

’’ہمیں پتہ ہیں ہمارے کام۔ آپ کے بچے ہی گھر سے لا رہے ہیں‘‘

’’کون ہے وہ؟‘‘

پرنسپل نے ان کے سامنے سب بچوں سے سختی سے پوچھا۔ پہلے تو کسی نے منہ نہیں کھولا۔ بعد میں پتہ چلا کہ عاشر لا کر دیتا ہے عاشر میٹرک میں پڑھتا تھا۔ امیر گھرانے کا لڑکا تھا۔ دوستوں میں دھاک بٹھانے کے لیے الٹی سیدھی حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ پرنسپل سے پورے دو گھنٹے مغزماری کے بعد امی ابو جواد کو لے کر گھر آ گئے۔ جواد بہت سہما ہوا تھا۔ آتے ہی اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ابو بہت غصے میں تھے۔ امی انھیں سمجھانے لگیں۔

’’یہ وقت غصہ کرنے اور جواد کو مارنے کا نہیں ہے۔ ہمیں تحمل سے اسے سمجھانا ہوگا۔‘‘

ابو اور امی جواد کے کمرے میں گئے تو وہ سہم کر دیوار سے لگ گیا۔

’’ادھر آؤ‘‘ ابو بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیے ہوئے تھے۔

’’ابو مجھے معاف کر دیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا‘‘ وہ رو رہا تھا۔

’’مجھے بے حد افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمھاری امی کی بات کیوں نہیں مانی۔ اگر پیسے اسکول لے جانے کی عادت نہ پڑتی تو یہ سب نہ ہوتا۔‘‘

’’ابو! میں نے کبھی سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ وہ تو عاشر بھیا ہمارے پیسے لے کر اپنے دوستوں کے لیے لاتے تھے اور مجھے اور ثاقب (جواد کا دوست) کو کہتے تھے کہ تم دونوں چھوٹے ہو۔ بس ہم لوگوں کو دیکھو کہ کیسے کش لگاتے ہیں۔‘‘

’’شکر ہے اللہ کا۔ ہمارا بچہ اس خباثت سے دور رہا‘‘ امی خوش ہو گئیں۔

’’لیکن یہ بات اگر تم آ کر ہمیں بتاتے تو ہم پرنسپل سے اس لڑکے کی شکایت کرتے‘‘ ابو ابھی بھی ناراض تھے۔

’’ہاں بیٹا! تم نے یہ بات ہم سے کیوں چھپائی؟‘‘

’’ثاقب (دوست) عاشر بھیا کا کزن ہے اس نے مجھے قسم دی تھی۔‘‘

’’خبردار! اس کے بعد تم ثاقب سے بھی دوستی نہیں رکھو گے۔‘‘

’’وہ اسکول جائے گا تو دوستی بنائے رکھے گا نا" ابو نے کہا۔

’’کیا مطلب؟‘‘ امی نے اچھنبے سے پوچھا۔

’’میں جواد اور فواد دونوں کو اس اسکول سے نکال کر دوسرے اسکول میں ڈال رہا ہوں۔‘‘

’’لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہاں پر صرف اچھے ساتھی ہی ہوں گے‘‘ امی نے کہا۔

’’اب یہ ان بچوں کو ہی طے کرنا ہوگا کہ کون اچھا ہے کون برا؟‘‘ ابو نے بات ختم کر دی۔

رات کے کھانے کے بعد امی ابو تینوں بچوں کو لے کر ہال میں آ گئے۔ اور آج کے واقعہ کو سب کے سامنے رکھا۔ فواد چھوٹا تھا اس لیے سگریٹ والی بات اسے نہیں بتائی۔ پانی لانے کے بہانے اسے باہر بھیج دیا۔

’’دیکھو بچو! اب تم لوگ عمر کے اس حصے میں ہو جہاں سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے اسکول اور باہر جو بھی

واقعات ہوں اسے اپنی امی سے یا مجھ سے ضرور ڈسکس (discuss) کرنا۔"

"جی امی ضرور" ثانیہ نے فوراً کہا۔ جواد سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔

"جواد! ابو کچھ پوچھ رہے ہیں ان کی بات کا جواب دو۔"

اس نے سر اٹھا کر ابو کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ابو کا دل پگھل گیا انھوں نے قریب آ کر اسے گلے لگا لیا۔ وہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"بس بیٹا! اب چپ ہو جاؤ۔ اور اس واقعے سے سبق سیکھو۔"

"ہاں امی! اب میں نے بھی جان لیا ہے کہ والدین جو بھی سختی کرتے ہیں بچوں کی بھلائی کے لیے ہی کرتے ہیں" ثانیہ نے کہا۔

"امی! ابو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کی ہر بات مانوں گا اور جو بھی بات ہوئی آپ کو بتاؤں گا۔"

"اور میں بھی" فواد نے اندر آتے ہوئے معصومیت سے کہا تو سب ہنس دیے اور ابو کے گرد بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اور امی نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ بر وقت سمجھداری اور مصلحت سے کام لے کر انھوں نے بچوں کو ضدی اور ڈھیٹ ہونے سے بچا لیا ہے۔

■

Fouzia Habeeb
Dept of Urdu, TAW College for Women
Ambur - 635802 (Tamil Nadu)
Mob.: 7904322597
fouziahabeeb05@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر...بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

عبدالناصر

وفادار کتا

بات پرانے زمانے کی ہے۔کسی علاقے میں ایک گھنا جنگل تھا جہاں بڑی تعداد میں خونخوار درندے رہا کرتے تھے۔اس جنگل کے بیچ سے ایک راستہ گزرتا تھا۔دن کے وقت جب تک سورج کی روشنی رہتی تب تک راگیر اس راستے سے گزرتے تھےلیکن جوں ہی آفتاب غروب ہوتا یہ راستہ سنسان ہوجاتا تھا۔

ایک دفعہ برسات کے موسم میں کافی بارش ہوئی جس کی وجہ سے پورا علاقہ جل تھل ہوگیا۔جنگل کے سارے چھوٹے جانور اس کی وجہ سے دور دراز کے علاقے میں چلے گئے۔اس جنگل میں جہاں شیر، ببر، چیتے اور تیندوے آباد تھے وہیں ایک مکار بھیڑیا اور لومڑی بھی رہا کرتی تھی۔چھوٹے جانوروں کی کمی کی وجہ سے بڑے جانوروں کو کھانا ملنا مشکل ہوگیا۔ساتھ ہی گھاس کے میدان بھی کچھ دنوں کے لیے اس قابل نہ رہے کہ وہاں شیر جیسے بڑے جانور شکار کر سکتے۔

اسی دوران ایک بھیڑیے اور لومڑی میں ملاقات ہو گئی جب دونوں شکار پر نکلے تھے۔لیکن جنگل میں شکار کم ہونے کی وجہ انھیں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔پہلے تو دونوں میں علیک سلیک ہوئی پھر دونوں نے دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو کی اور ہم خیال بن گئے۔نتیجہ یہ ہوا کہ بھیڑیے اور لومڑی میں پکی دوستی ہوگئی۔یوں تو دونوں ہی چالاک اور مکار تھے لیکن لومڑی حد سے زیادہ چالاک تھی۔

ایک دن جب دونوں جنگل میں شکار کی تلاش میں

تھے، اچانک لومڑی کو دور جنگل میں ایک خرگوش نظر آ گیا۔ جھٹ اس کی جانب بھاگنے لگی اور چند لمحوں میں خرگوش کو آ دبوچا۔ روئی کے گالے کی طرح نرم ملائم خرگوش نے بچنے کی کوشش کی مگر جلد ہی نڈھال ہو گیا۔ خرگوش کو چٹ کرنے کے بعد لومڑی واپس بھیڑیے کے پاس آ گئی، بھیڑیا اس سے ناراض ہو چکا تھا۔ اس نے لومڑی سے کوئی بات نہ کی۔

اب جب بھی موقع ملتا تو لومڑی بھیڑیے کے قریب آنے کی کوشش کرتی مگر بھیڑیا اسے دیکھ کر دور ہٹ جاتا تھا۔ اس وجہ سے لومڑی کافی پریشان رہنے لگی۔ پھر ایک دن بھیڑیے نے ہرن کا ایک بچہ شکار کیا۔ ابھی وہ اسے گھسیٹ کر جھاڑیوں میں جانے والا ہی تھا کہ لومڑی وہاں آ گئی اور بولی:

”بھیڑیے بھائی۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟“

یہ سن کر بھیڑیے نے نہایت بیزاری سے لومڑی کو روکھا سوکھا جواب دے کر رخصت کر دیا۔ لومڑی کھسیانی ہو کر لوٹ گئی۔

دن گزرتے رہے لیکن بھیڑیے اور لومڑی کے دل میں جو خلش بیٹھ گئی تھی وہ دور نہ ہوئی۔ جہاں پہلے دونوں میں گہری دوستی تھی اور ہر وقت ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے، وہیں آج ایک دوسرے سے نظر ملانے کو تیار نہ تھے۔

پھر سردیوں کا موسم آ گیا۔ شدت کی سردی پڑنے لگی۔ اس سال ماحولیات کی تبدیلی کی وجہ سے علاقے میں سخت برف باری بھی ہوئی اور ہر طرف برف کی چادر سی بچھ گئی تھی۔ ایک دن ایسے میں لومڑی اپنے بھٹ سے نکلی اور مکار بھیڑیے کے گھر کی جانب چلی۔ آج اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنا دکھڑا بیان کر کے کسی طرح بھیڑیے کو منا لے گی۔ لومڑی نے جا کر پہلے تو اس کی مزاج پرسی کی اور پھر مختلف موضوعات پر بات چیت شروع کی۔ پھر موقع اور مصلحت کے تحت چکنی چپڑی باتیں کرنے لگی۔ رفتہ رفتہ بھیڑیے کا دل بھی پسیجنے لگا اور کافی دیر بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو برف کے پگھلنے کی طرح ان کے دل بھی پگھل چکے تھے۔ اب وہ دونوں پھر ایک دوسرے کے دوست بن چکے تھے۔

اب لومڑی اور بھیڑیا دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ دونوں اپنا اپنا شکار کرتے۔ جب انھیں شکار نہ ملتا تو بڑے جانوروں کے شکار کا بچا کھچا حصہ کھا لیتے۔ اس طرح ان کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔

ایک رات جب آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے اور خوشگوار ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس سہانے موسم میں لومڑی اور بھیڑیے کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے آئندہ کے لیے کئی منصوبے بنائے۔ ان کا ارادہ گاہے بہ گاہے آبادیوں میں جا کر شکار کرنے کا بھی تھا۔ جہاں کسانوں کے کچے پکے جھونپڑے تھے۔ آبادی میں آنے کے بعد دونوں نے آپس میں کچھ کانا پھوسی کی اور الگ الگ سمت سے داخل ہو گئے۔ لومڑی کو کہیں قریب میں ایک کسان کا گھر نظر آیا جہاں اس کی بکریاں گھر کے باہر بیٹھی ہوئی تھیں۔ لومڑی نے جھٹ ایک بکری کے بچے کو اٹھایا اور وہاں سے چمپت ہو گئی۔ دوسری جانب بھیڑیے کو ایک جگہ ایک گھر میں موٹی تازی بھیڑ نظر آئی اور اس نے حملہ کر دیا۔ بھیڑ کافی طاقتور تھی۔ اس کے سینگ بھی کافی مضبوط تھے۔ کچھ دیر تک اس نے مقابلہ کیا، جس

سے بھیڑیے کو شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ اس کے قابو میں کیوں نہیں آ رہی تھی۔ آخر میں دونوں لہولہان ہو گئے۔ ان دونوں کی لڑائی کی وجہ سے جو ہنگامہ برپا ہوا اس سے آبادی کے لوگوں کی نیند کھل گئی۔ وہ سب ڈنڈے اور بھالے لے کر بھیڑ کو بچانے کے لیے وہاں آ پہنچے۔ بھیڑیے کو اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوا جب ہر طرف سے لوگوں نے اس کو گھیر لیا تھا اور اس پر ڈنڈوں کی بارش کرنے لگے تھے۔ کچھ دیر پٹائی ہونے کے بعد وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے اسے مردہ جان کر چھوڑ دیا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔ کافی دیر تک بے حس و حرکت پڑے رہنے کے بعد جب اس کے ہوش و حواس بحال ہونے لگے تو اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن یہ اب اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ دوبارہ زمین پر گر پڑا۔ پھر کبھی نہ اٹھ سکا۔

دوسری جانب لومڑی بکری کے بچے کو لے کر سیدھے جنگل کی طرف بھاگی اور جی بھر کر اس کا گوشت کھایا۔ پھر آرام کرنے چلی گئی۔ ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران لومڑی کو کئی بار بھیڑیے کی یاد آئی لیکن تلاش کے باوجود اسے بھیڑیا کہیں نظر نہیں آیا۔ آخر ایک دن اس نے پھر آبادی میں جانے کا ارادہ کیا جہاں سے اس نے پہلے بکری کا بچہ چرایا تھا۔ رات کے وقت چپکے سے اسی آبادی میں پہنچ گئی۔

آج اسے شکار تلاش کرنے میں کافی دقت پیش آ رہی تھی۔ جنگلی جانوروں کے علاقے میں آنے کی خبر سے سبھی لوگ ہوشیار ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنے جانوروں کو گھروں کے اندر باندھ رکھا تھا۔ اس وقت پوری آبادی گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ جب لومڑی کو کچھ نظر نہ آیا تو اس نے ایک سوئے ہوئے بچے کو اٹھا کر بھاگنے کا ارادہ کر لیا۔ جیسے ہی وہ بچے پکڑ کر گھر سے نکلی اسی وقت بچے نے شور مچا دیا۔ دوسری جانب کسان کا پالا ہوا کتا جو دروازے کے قریب کہیں سو رہا تھا دروازے پر آ پہنچا اور لومڑی پر حملہ کر دیا۔ لومڑی اس اچانک حملے سے گھبرا گئی۔ اس نے بچے کو ایک طرف رکھا اور جان بچانے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن یہ کتا بھی شکاری تھا۔ اس نے لومڑی پر اتنے وار کیے کہ اسے بھاگنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس شور وغل میں دوسرے کتے بھی آ گئے اور بیک وقت اپنے پنجوں اور جبڑوں سے اسے کاٹ کاٹ کر بے سدھ کر دیا۔ اتنے میں آبادی کے لوگ بھی ہر طرف سے آ آ کر جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے پہلے تو زخمی بچے کو اٹھایا۔ پھر ڈنڈوں سے لومڑی کی اچھی خاصی تواضع کی۔ زخموں سے چور ہو کر وہ کبھی زمین پر گرتی اور کبھی اٹھنے کی کوشش کرتی۔ پھر آخری دفعہ جو زمین پر گری تو اٹھ نہ سکی۔

اگلی صبح آبادی میں ہر طرف اس کتے کی وفاداری سے متعلق ایک ہی کہانی تھی کہ اس نے کس طرح درندے سے ایک انسانی جان کی حفاظت کی تھی۔ اس واقعے کے بعد سے آبادی میں جنگلی درندوں کا خطرہ ہمیشہ کے لیے رک گیا۔

■

Abdul Naseer
Pakthoul, P.O. Khizer Chak
Via - Barauni
Distt - Begusarai- 851112 (Bihar)
Mob: 9718941763
abdulnaseer.jnu@gmail.com

شرمین انصاری

بہادری

ایک سرسبز وادی کے درمیان ایک گاؤں آباد تھا جس کا نام سبز باغ تھا۔ یہ گاؤں اپنے سرسبز کھیتوں، صاف بہتے چشموں اور پہاڑوں کے خوبصورت مناظر کے لیے مشہور تھا۔ گاؤں کے قریب ایک گھنا جنگل تھا، جہاں بہت سے جنگلی جانور رہتے تھے،لیکن ان میں سب سے خطرناک ایک خونخوار شیر تھا۔ وہ شیر اتنا طاقتور اور پھرتیلا تھا کہ گاؤں کے لوگ اس کے ذکر سے کانپ اٹھتے تھے۔ وہ اکثر مویشیوں پر حملے کرتا اور کئی بار انسانوں کو بھی نقصان پہنچا چکا تھا۔

اس گاؤں میں زید نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔ زید کی عمر بارہ سال تھی۔ وہ اپنی دادی کے ساتھ رہتا تھا۔ زید جسمانی طور پر کمزور تھا،لیکن اس کا دل بہت مضبوط تھا۔ اس کی دادی ہمیشہ اسے کہتی تھیں،''بیٹا، زندگی میں جسم کی طاقت سے زیادہ اہم ہمت اور عقل ہے، جو اپنی عقل اور ہمت کو استعمال کرتا ہے، وہی اصل بہادر ہے۔'' زید ان باتوں کو دل سے مانتا تھا،لیکن گاؤں کے لوگ اسے کمزور سمجھتے تھے۔ وہ اکثر اس کا مذاق اڑاتے اور کہتے،''یہ دبلا پتلا لڑکا کیا کرے گا؟ یہ تو خود کسی دن جنگل کے جانوروں کا شکار بن جائے گا۔'' زید ان باتوں کا برا نہیں مانتا تھا، بلکہ وہ دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ ایک دن وہ ایسا کام کرے گا جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل بہادری جسم کی طاقت میں نہیں بلکہ دل کی مضبوطی میں ہے۔

ایک دن گاؤں میں خبر آئی کہ جنگل کا شیر پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گیا ہے۔ اس نے کئی مویشیوں کو مار ڈالا تھا اور اب گاؤں کے قریب آ کر کھیتوں میں تباہی مچا رہا تھا۔ گاؤں کے سردار نے سب کو بلایا اور کہا،''ہمیں اس شیر کو روکنا ہوگا ورنہ یہ ہمارے لیے مزید خطرہ بن جائے گا۔ کیا کوئی ہے جو اس کام کے لیے ہمت دکھائے؟'' گاؤں کے تمام بہادر مرد خاموش تھے۔ کوئی بھی شیر کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھا۔ آخر کار زید نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر کہا،''میں اس شیر کا مقابلہ کروں گا۔''

یہ سن کر سب حیران رہ گئے۔ گاؤں کے لوگ ہنسنے

لگے۔ ایک شخص بولا، ''زید، یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ شیر بہت خطرناک ہے۔'' دوسرے نے کہا، ''تمھاری عمر اور طاقت شیر کا سامنا کرنے کے قابل نہیں ہے۔'' لیکن زید نے اعتماد کے ساتھ کہا، ''میں اپنی عقل اور ہمت کے ساتھ شیر کا سامنا کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں یہ کام کرسکتا ہوں۔'' سردار نے زید کی بات سنی اور کہا، ''تمھاری ہمت کی داد دینی پڑے گی، لیکن یاد رکھو کہ یہ بہت خطرناک کام ہے۔'' زید نے جواب دیا، ''مجھے اپنی دادی کی دعائیں چاہئیں، باقی سب میں سنبھال لوں گا۔''

اگلی صبح زید نے اپنی دادی سے اجازت لی اور جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ دادی نے اسے دعائیں دیں اور کہا، ''بیٹا، ہمیشہ اپنی عقل کا استعمال کرنا اور اپنے دل کی آواز سننا۔'' گاؤں کے لوگ حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ کچھ نے دعا کی اور کچھ نے سوچا کہ زید کبھی واپس نہیں آئے گا۔ زید نے اپنی چھوٹی تیر کمان، ایک رسی اور کچھ ضروری سامان ساتھ لیا اور جنگل کی راہ لی۔

جنگل میں داخل ہوتے ہی زید کو احساس ہوا کہ یہ جگہ بہت مختلف اور خوفناک ہے۔ پرندوں کی آوازیں، درختوں کی سرسراہٹ اور دور سے آتی عجیب آوازیں اسے ڈرا رہی تھیں، لیکن اس نے خود کو مضبوط رکھا۔ وہ جنگل کے بہت اندر تک چلا گیا، جہاں درخت اونچے اور گھنے تھے۔ سورج کی روشنی بمشکل زمین تک پہنچ رہی تھی۔ زید نے ایک جگہ پر رک کر آرام کیا اور اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔

جب رات ہونے لگی تو زید نے درختوں کی شاخوں سے ایک پناہ گاہ بنائی اور آگ جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کیں۔ جنگل کی رات بہت سنسان تھی۔ جانوروں کی آوازیں اور اندھیرے کا دبدبہ زید کے لیے ایک آزمائش تھا، لیکن اس نے اپنی ہمت کو برقرار رکھا۔ ایک بار اسے ایسا لگا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے فوراً تیر کمان تیار کیا اور ادھر ادھر دیکھا، لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اچانک ایک لومڑی نمودار ہوئی، لیکن زید نے اسے کچھ گوشت پھینک کر بھگا دیا۔

اگلے دن زید نے شیر کے قدموں کے نشان تلاش کرنے شروع کیے۔ نشان بہت بڑے اور گہرے تھے، جو ظاہر کر رہے تھے کہ شیر حال ہی میں یہاں سے گزرا ہے۔ وہ نشانوں کا پیچھا کرتے ہوئے ایک گہری کھائی تک پہنچا۔ یہ کھائی بہت خطرناک تھی اور اسے پار کرنا آسان نہیں تھا۔ زید نے اپنی عقل کا استعمال کیا اور درختوں کی شاخوں کو جوڑ کر ایک پل بنایا۔ اس نے ہمت کے ساتھ کھائی کو پار کیا اور اپنی تلاش جاری رکھی۔

کئی گھنٹوں کی تلاش کے بعد زید نے ایک جگہ دیکھی جہاں مویشیوں کی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ جگہ شیر کی شکار گاہ معلوم ہوتی تھی۔ زید نے وہاں رک کر جائزہ لیا اور سوچا کہ شیر کے قریب پہنچنے کا یہی وقت ہے۔ اچانک اسے ایک درخت کے نیچے شیر نظر آیا۔ وہ شیر بہت بڑا اور خوفناک تھا، لیکن زید نے ہمت قائم رکھی۔

زید نے ایک منصوبہ بنایا۔ اس نے درختوں کی شاخوں اور اپنی رسی سے ایک جال تیار کیا۔ پھر اس نے گوشت کا ٹکڑا شیر کے قریب رکھا اور چھپ کر انتظار کرنے لگا۔ جب شیر گوشت کی خوشبو سے بیدار ہوا، تو وہ دھیرے دھیرے جال کی طرف بڑھا۔ زید نے موقع دیکھ کر جال کھینچ لیا اور شیر کو قید کرلیا۔ شیر نے بہت زور لگایا کہ جال

سے نکل سکے، لیکن زید نے اسے مضبوطی سے باندھ رکھا تھا۔

اب زید کے لیے سب سے بڑا چیلنج تھا شیر کو گاؤں تک لے جانا۔ اس نے درختوں کی شاخوں اور لکڑیوں سے ایک گاڑی بنائی اور شیر کو اس پر باندھ دیا۔ یہ کام نہایت مشکل تھا، لیکن زید نے ہمت نہیں ہاری۔ راستے میں جنگلی جانوروں نے اسے ڈرایا، لیکن اس نے آگ جلا کر انھیں بھگا دیا۔ ایک جگہ شیر کے جال کو کھولنے کی کوشش کی گئی، لیکن زید نے فوراً رسی کو دوبارہ مضبوط کیا۔

جب زید گاؤں کے قریب پہنچا تو لوگ حیرت سے دیکھنے لگے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک کمزور نظر آنے والا لڑکا ایک خونخوار شیر کو قابو میں لا سکتا ہے۔ سردار نے زید کی بہادری کی تعریف کی اور کہا، ''یہ لڑکا واقعی ہمارا ہیرو ہے۔'' گاؤں کے لوگ زید کی ہمت اور عقل کے قائل ہو گئے۔ انھوں نے نہ صرف اس کی عزت کی بلکہ اس سے سبق بھی لیا کہ اصل بہادری دل کی مضبوطی اور دماغ کی چالاکی میں ہے، نہ کہ جسم کی طاقت میں۔

زید کی یہ کہانی صرف گاؤں تک محدود نہیں رہی، بلکہ پورے علاقے میں پھیل گئی۔ لوگ اس کی مثال دینے لگے اور نوجوان اس کی ہمت سے متاثر ہو کر اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔ زید نے ثابت کر دیا کہ چھوٹے قد یا کمزور جسم کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بڑے کام نہیں کر سکتے۔ ہمت، عقل، اور محنت سے ہر مشکل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

■

Dr. Sharmeen Ansari
Shad Adam, Shaikh Teck High School
& Jrn College,518, Choutha Nizampur
Pinjra Pol, Bhiwandi - 421302 (Maharashtra)
Mob.: 9323524281
sharmeentarique@gmail.com

کہانی

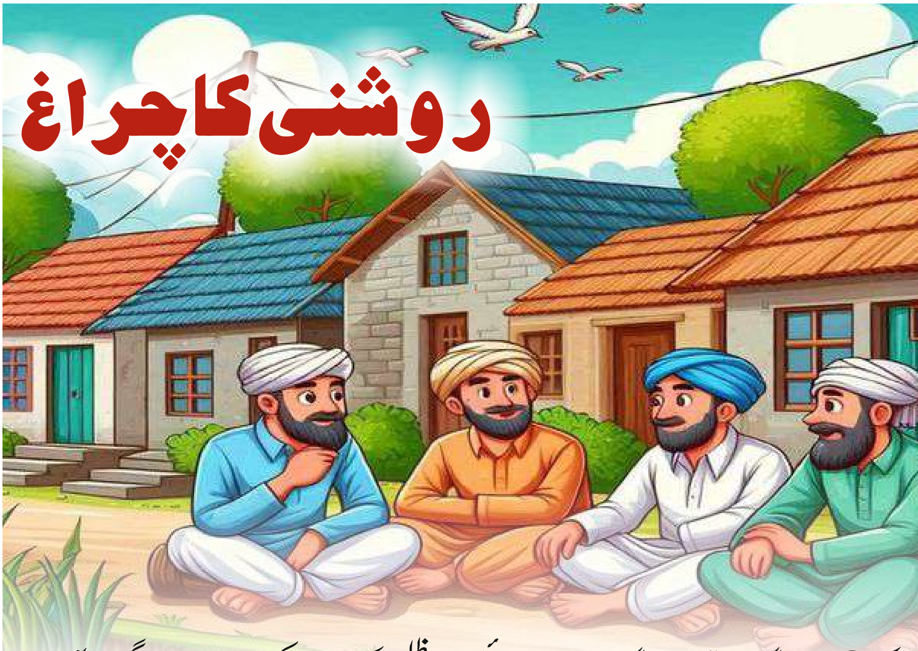

روشنی کا چراغ

محمد نہال افروز

جنگل کے درمیان ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔اس گاؤں میں صرف چند گھر اور ایک پرانی مسجد تھی۔گاؤں کے لوگ سیدھے سادے اور بے حد ایمان دار تھے۔اس گاؤں کا ایک باشندہ'حاکم دین' اپنی اصول پسندی اور اخلاقیات کی اعلیٰ مثالوں کے لیے مشہور تھا۔

ایک دن گاؤں کے قریب سے گزرنے والے ایک قافلے کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔قافلے کے لوگوں کو نہ صرف نقصان اٹھانا پڑا بلکہ ان کا سامان اور قیمتی اشیا بھی چوری ہوگئیں۔قافلے کے لوگ ڈرے سہمے ہوئے گاؤں میں پہنچ گئے اور حاکم دین کو سارا ماجرا سنا کر اس سے مدد کی آس لگا بیٹھے۔

حاکم دین نے ان سے پورا واقعہ سنا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان کا حق واپس دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

حاکم دین نے گاؤں کے نوجوانوں کو جمع کیا اور ان سے کہا:

''یہ ایسا وقت ہے کہ ہم اپنی اخلاقی ذمے داری کو نبھائیں اور ظلم کے خلاف کھڑے ہوں۔اگر ہم آج ان بے گناہوں کا ساتھ نہیں دیں گے تو کل ہم پر کوئی بھروسہ نہیں کرے گا۔''

حاکم دین کی باتیں سن کر ایک نوجوان، جس کا نام کریم تھا، نے کہا:

''لیکن حاکم دین بھائی، ڈاکو بہت خطرناک ہیں۔ہم ان سے کیسے نمٹیں گے؟''

''بیٹے، ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کے لیے صرف ہتھیار کی ہی نہیں بلکہ دل اور نیت کی بھی طاقت چاہیے۔ہم انہیں لڑائی سے نہیں بلکہ اپنی باتوں سے، اخلاقیات سے اور سچائی سے قائل کریں گے۔'' حاکم دین نے مسکرا کر جواب دیا۔

نوجوانوں نے حاکم دین کی بات مان لی اور ان کے ساتھ قافلے والوں کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔حاکم دین نے منصوبہ بنایا اور ڈاکوؤں کے ٹھکانے پر جا کر

ان سے بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا۔

جب حاکم دین ڈاکوؤں کے پاس گئے تو انھوں نے ان کے سردار سے نہایت ہی اطمینان اور نرم لہجے میں کہا: السلام علیکم! مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ ہمیں دشمن سمجھتے ہیں، لیکن میں یہاں لڑائی کرنے نہیں آیا ہوں۔ میں تو یہاں صرف عدل وانصاف کی بات کرنے آیا ہوں۔''

حاکم دین کی باتیں سن کرڈاکوؤں کے سردار نے ہنستے ہوئے کہا:

''انصاف؟ یہاں جنگل میں کون سا انصاف ہے؟ یہاں جو طاقتور ہے، وہی حاکم ہے اور وہی حکم دیتا ہے۔''

''طاقت کا مطلب دوسروں کو نقصان پہنچانا نہیں ہوتا۔ اصل طاقت وہ ہے جو لوگوں کے دلوں کو جیت لے۔ انسانوں کو تکلیف نہ پہنچائے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ نے قافلے والوں سے جو کچھ لیا ہے، وہ ان کی زندگی بھر کی محنت ہے۔ یہ ظلم ہے اور یہ آپ کے ضمیر پر بوجھ ڈالے گا۔'' حاکم دین نے سردار کو سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

ڈاکوؤں میں ایک نوجوان تھا، جو حاکم دین کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور اپنے سردار سے کہنے لگا:

''سردار! یہ آدمی سچ کہہ رہا ہے۔ میں بھی اس کی باتوں سے متاثر ہوں۔ سردار! شاید ہمیں اس کی باتوں پر غور کرنا چاہیے۔ ہمیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔''

ڈاکوؤں کا سردار پہلے تو حاکم دین کی باتوں کو نظر انداز کرتا رہا، لیکن اپنے نوجوان ساتھی کے کہنے اور حاکم دین کی صاف گوئی اور اس کے اچھے اخلاق نے سردار کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ حاکم دین کے الفاظ صرف زبانی دعوے نہیں ہیں بلکہ ان کی باتوں کے پیچھے ایک سچائی اور خلوص بھی ہے۔

آخر کار ڈاکوؤں نے اپنی غلطی تسلیم کی اور قافلے والوں کا لوٹا ہوا سامان واپس کر دیا۔ اس کے بعد حاکم دین نے ان سے وعدہ لیا کہ آئندہ وہ اس قسم کی حرکت نہیں کریں گے۔

قافلے کے لوگ اپنا ساز وسامان واپس پا کر بہت خوش ہوئے اور حاکم دین کے پاس آ کر کہنے لگے:

اگر آپ نہ ہوتے تو ہم اپنی چیزیں کبھی واپس نہ پاتے۔''

ہمیں ہمیشہ انصاف اور سچائی کے راستے پر چلنا چاہیے۔ حاکم دین نے مسکرا کر جواب دیا۔

یہ واقعہ گاؤں والوں کے لیے ایک عظیم سبق تھا کہ اخلاقیات اور سچائی کے ساتھ کھڑے ہونا ہمیشہ کامیابی لاتا ہے۔ حاکم دین کی اصول پسندی اور اخلاقی طاقت نے نہ صرف قافلے والوں کو ان کا حق دلایا بلکہ ڈاکوؤں کو بھی اپنی زندگی بدلنے پر مجبور کر دیا۔

اس واقعے کے بعد گاؤں کے لوگ حاکم دین کو 'روشنی کا چراغ' کہنے لگے، کیونکہ حاکم دین کی شخصیت ڈاکوؤں کے ساتھ گاؤں والوں کے لیے بھی روشنی اور رہنمائی کا ذریعہ بنی۔

■

Dr. Md Nehal Afroz
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachbowali,Hyderabad - 500032 (Telangana)
Mob : 9032815440
Email: nehalmd6788@gmail.com

ندا احمد

اچھائی کا پھل

سولہ سالہ راجو اسٹور پر کام کرتا تھا۔ اسٹور کا مالک منوہر اس سے ہر کام لیتا، کبھی کبھی تو اس کی عمر کا بھی لحاظ نہیں کرتا تھا۔ بہت ہی لالچی اور مطلبی آدمی تھا۔

صبح کا آیا راجو شام تک اسٹور میں کام کرتا۔ تاہم منوہر اس سے خوش نہیں ہوتا تھا۔ اگر کبھی وہ اسٹور راجو کی نگرانی میں چھوڑ جاتا تو واپسی پر ایک ایک چیز کا ایسے جائزہ لیتا کہ کہیں کوئی چیز غائب تو نہیں ہوئی۔

راجو من ہی من آنسو پی کے رہ جاتا۔ وہ بہت ایماندار تھا۔ لیکن مالک کو ناحق اس کی بے ایمانی کا خدشہ ستاتا رہتا تھا۔ بے چارہ راجو منوہر کی غیر موجودگی میں دوپہر کا کھانا تک ترک کر دیتا لیکن گراہک کو خالی نہیں جانے دیتا۔ اس سب کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے ایمان نوکر کی تھی۔

''جا جا کر صفائی کر۔ کھڑا کیوں ہے۔'' کام سے فارغ ہو کے وہ جیسے ہی کرسی پہ سوار ہوتا منوہر کاؤنٹر سے سر نکال کے چلاتا۔ وہ ہمیشہ بے رخی سے پیش آتا تھا۔ راجو جی کڑا کر کے سب برداشت کر جاتا کہ اس کی روزی روٹی کا کام یہیں سے جڑا تھا۔ اس کی ماں اسے ہمیشہ سمجھاتی۔

''بیٹا دل برا نہیں کرتے۔ تمھیں تمھاری اچھائی کا پھل ضرور ملے گا۔'' ماں کا جملہ اس کے لیے کافی حوصلہ افزا ثابت ہوتا تھا۔ وہ سب کچھ بھول بھال کے نئے دن کی شروعات چاک چوبند سے کیا کرتا۔ منوہر کا برتاؤ ویسا ہی روکھا سوکھا ہی رہتا۔ کام سارے لیتا پھر بھی شاباشی تو دور کچھ نہ کچھ نقص نکال دیتا۔

ایک دن راجو کو اسٹور آنے میں دیر ہو گئی تو منوہر نے خوب ڈانٹ لگائی۔

''خبردار! اگر آئندہ آنے میں ذرا بھی دیری کی۔'' اس نے راجو کو صفائی میں ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ جب کہ وہ کہنا چاہتا تھا۔ اپنی ماں کی بیماری کی بابت بتانا چاہتا تھا۔ لیکن اسٹور کا مالک کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔

پھر اگلے دن وہ اسٹور پہ آیا ہی نہیں۔ اسٹور کے مالک نے سوچ لیا تھا۔ اس کے کام پہ آتے ہی وہ اسے فارغ کر دے گا۔ ٹھیک تین دن بعد جب راجو اسٹور پر آیا تو مالک کے ساتھ کسی دوسرے لڑکے کو کام کرتے پایا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ پھر بھی اس نے ایک آخری کوشش کی۔

’’میری ماں بہت بیمار تھی۔ ان کی تیمارداری میں لگا تھا اس لیے نہیں آسکا۔‘‘ وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر منوہر نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے واپس گھر بھیج دیا۔ راجو کو کام کی بہت ضرورت تھی۔ ایسے میں مالک کے کام سے نکال دینے پر وہ بہت دکھی ہوا تھا۔

دوسرے دن وہ بھوکے پیاسے کام کی تلاش میں نکل گیا۔ پورے دو دن بعد بالآخر راجو کو ایک اچھی جگہ پر کام مل گیا تھا۔ دکان کا مالک کافی نرم مزاج تھا۔ وہ اس سے کافی نرمی سے پیش آتا تھا۔ سب سے اچھی بات اسے کھانے پینے کی چھٹی بھی دیتا تھا۔ راجو اپنے نئے مالک کے برتاؤ سے بہت خوش تھا۔ اسے اپنی ماں کی کہی بات پر یقین ہو چلا تھا۔

’’اچھے لوگوں کے ساتھ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ انھیں ان کی اچھائی کا پھل ایک نہ ایک دن کسی دوسرے صورت میں ضرور ملتا ہے۔‘‘ جب وہ اپنے پرانے مالک منوہر کا برتاؤ ماں کو رو کر بتاتا تھا تب ماں کے جملے سے صرف من کو ہی ڈھارس نہیں ہوتی تھی بلکہ مثبت احساس بھی اس کے من میں سما جاتا تھا۔ واقعی اسے اچھائی کا پھل بہت خوب ملا تھا۔ نئی جگہ۔ اچھا مالک۔ اچھی تنخواہ۔ جہاں وہ مسکرا کے اپنی بات کہہ سکتا تھا۔ جہاں اسے تنقیدی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اسے چور یا بے ایمان نہیں سمجھا جاتا تھا۔

مہینے بعد راجو اس سڑک سے گزرا تو یہ دیکھ کر سخت حیران رہ گیا۔ جہاں اس کے سابقہ مالک کا اسٹور ہوا کرتا تھا۔ وہ جگہ اب خالی تھی۔ کہیں کوئی دکان نہ تھی۔ آس پاس لوگوں سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ مالک کی غیر موجودگی میں نوکر اپنے ساتھیوں سنگ اسٹور لوٹ گیا۔ مارے صدمے کے منوہر ہسپتال میں پڑا تھا۔ یہ سن کر راجو کو افسوس ہوا۔ ضرور اسے منوہر کی کڑوی باتیں یاد تھیں۔ پھر بھی یہ اس کے دل کی اچھائی تھی کہ اسے اس کے نقصان دھوکے کا سن کر برا لگ رہا تھا۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔ اچھا سوچو۔ اچھا کرو۔ سب اچھا ہی ہوگا۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

■

Nida Ahmad
Ambikapur,
Surguja - 497001(Chhattishgarh)
Mob.: 9752232178
Email :- nidaf9149@gmail.com

جواب

1	7اپریل	2	منی پور	3	Portable Document Format	4	Curriculum Vita
5	12جوڑے	6	پیلے(Pele)	7	پرگیان روور	8	لکھنؤ
9	لارڈ ڈلہوزی	10	عقاب	11	سچن تندولکر	12	دی لائبریری آف کانگریس
13	کنگاروریٹس	14	بچوں کے ادیب کی حیثیت سے	15	اشوکا چکر	16	کرسٹیانو رونالڈو
17	ہاکی	18	راکیش شرما	19	پرم ویر چکر	20	جیمس رسل

مقابلہ

محمد گلزار عالم

تعلیمی سیشن کے اختتام سے قبل سالانہ امتحان اور ان مراحل سے گزرنے کے بعد بچوں کی دلچسپی اور ذہنی تھکان دور کرنے کے مقصد سے اسکول میں اسپورٹس بھی منعقد کیا جاتا تھا۔اس کی تیاریاں بڑے زوروشور سے اسکول کے وسیع وعریض میدان میں چل رہی تھیں۔ لڑکے اورلڑکیوں کے قد کی پیائش کے ساتھ انھیں اے، بی،سی اورڈی گروپ کے زمروں میں بانٹنے کا کام اسکول کی استانیاں بڑی خوش اسلوبی اورتن دہی کے ساتھ انجام دینے میں منہمک تھیں۔عفان جو پانچ برس کا تھا اور درجہ ایل کے جی کا طالب علم تھا۔ بڑا ذہین اور اپنی دلچسپ باتوں اورحرکتوں سے اسکول کی ٹیچرس کی توجہ کا مرکز بنا رہتا۔ پڑھائی میں غیر معمولی دلچسپی کے سبب کلاس ٹیچر بھی اس پر خصوصی توجہ دیتی۔ پڑھائی کے دوران جو باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں بلاجھجک وہ دوبارہ ٹیچر سے پوچھا کرتا اور اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا کرتا۔ پیائش کے دوران صف میں کھڑے بڑی بے چینی کے ساتھ وہ اپنی باری آنے کا انتظار کررہا تھا۔ چہرے پر بے چینی کے آثار صاف جھلک رہے تھے جسے دیکھ کر کلاس ٹیچر محظوظ ہورہی تھیں۔ انتظار کی گھڑی ختم ہوئی۔ اس کا انتخاب 'D' گروپ میں ہوا۔ ٹیچر نے بال پین سے اس کے بازو پر بڑا سا 'D' لکھ دیا تاکہ اسے یاد رہے۔ یادداشت کے لیے تمام بچوں کے بازوؤں میں اس کے گروپ لکھے جارہے تھے تاکہ اسپورٹس والے دن طلبہ اوراساتذہ کے ساتھ ساتھ منتظمین کوکسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ دوسری جانب رجسٹر لیے ایک ٹیچر تمام بچوں کا ریکارڈ بھی درج کررہی تھیں۔ اسکول سے گھر آتے ہی کتابوں سے

بھرا بھاری بیگ ایک جانب رکھا اور دوڑتے ہوئے کچن میں آیا جہاں اس کی والدہ عفان کا پسندیدہ کھانا تیار کر رہی تھیں۔

’امی! یہ دیکھیے۔ مجھے ڈی گروپ ملا ہے۔ 100 میٹر دوڑ ریس اور فراگ ریس کے لیے مجھے تیاری کرنی ہے۔‘‘

اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے آستین اٹھا کر بولا۔

اماں لاڈلے بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

’کب ہے اسپورٹس؟‘

’اسی مہینے کی 20 تاریخ کو۔ صرف 10 دن بچے ہیں۔ مجھے تیاری کرنی ہے۔ دونوں مقابلے میں مجھے حصہ لینا ہے۔ اسکول جانے سے پہلے صبح سویرے اٹھ کر ابو کے ساتھ میدان جاؤں گا۔ خوب دوڑ لگاؤں گا۔‘

ایک ہی سانس میں وہ اپنی والدہ سے سب کچھ بول گیا۔

’امی! آپ مجھے روزانہ دودھ کے ساتھ ایک ابلا ہوا انڈا دیجیے گا۔ میں باڈی اور طاقت بنا کر دوڑ لگاؤں گا۔‘‘

دودھ کے ساتھ انڈے کی فرمائش سن کر امی بولی۔

’ضرور! میں اپنے بیٹے کے لیے ایک نہیں 2 انڈے ابالوں گی تاکہ میرا بیٹا باڈی بنا کر دوڑ میں اول مقام حاصل کرے۔‘

ماں اور بیٹے کی گفتگو کچن میں بیٹھی 3 سالہ یاسرہ اب تک بڑی خاموشی سے سن رہی تھی۔ بھائی کے لیے دو انڈے کی پیشکش سے اس کے صبر کا باندھ ٹوٹ گیا۔

’میں بھی باڈی بناؤں گی امی! بھائی کی طرح مجھے بھی 2 انڈے اور دودھ چاہیے۔‘

امی کے گلے میں اپنے نرم اور نازک ہاتھوں سے حلقہ بناتے ہوئے اپنی فرمائش ظاہر کی۔

اماں دونوں کو اپنی بانہوں میں بھر کر بولی۔

’اپنے شہزادے اور شہزادی کی فرمائش مجھے قبول ہے۔‘

رات کھانے سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق عفان نے ابو کے موبائل سے اپنی چھوٹی خالہ کو فون لگایا۔ مختصر سی گھنٹی کی آواز کے ساتھ چھوٹی خالہ کی آواز ملتے ہی اس نے بڑے ادب سے سلام کیا اور خیر و خیریت اپنی زبان میں پوچھنے کے بعد دل کا حال بیان کیا۔ اسکول اور اسپورٹس سے متعلق باتیں کرتے ہوئے بڑی دھیمی آواز میں بولا۔

’چھوٹی خالہ! میں دوڑ میں سکنڈ آؤں گا۔‘‘

’سکنڈ کیوں؟ فرسٹ آنا ہے فرسٹ۔‘

’میری باڈی نہیں ہے نا۔ کیسے فرسٹ آؤں گا۔ فرسٹ آنے کے لیے باڈی کی ضرورت ہے۔‘

اس نے محدود الفاظ میں خالہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

’دوڑ میں فرسٹ آنے کے لیے باڈی کی نہیں مسلسل مشق کی ضرورت ہے۔ جس قدر پریکٹس کرو گے اس قدر تیزی آئے گی اور مقابلے میں اول آنے کی امید بڑھ جائے گی۔‘

خالہ سے ہمت پا کر وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی ابو اور امی بیدار ہو گئے۔ وہ بھی جلدی سے بستر سے اٹھا اور تیار ہو گیا اور سیدھا کچن میں داخل ہوا اور انڈا اور دودھ سے ہلکا پھلکا ناشتہ کیا اور ابو کی انگلی پکڑ کے میدان کے لیے نکل پڑا۔ 9 دنوں تک یہی معمول رہا۔ اسپورٹس والے دن میدان کو خوب سجایا گیا۔ چونے کی سفیدی سے لائن کھینچی گئی۔ بانس اور ناریل کی

رسی سے میدان کی احاطہ بندی کی گئی تا کہ مقابلے میں حصہ لینے والوں کو ناظرین سے کسی طرح کی پریشانی نہ ہو۔شامیانہ لگایا گیا جہاں ٹیچروں کے ساتھ مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ رنگ برنگ ربن باندھی گئی۔مہمان خصوصی کے ہاتھوں اسپورٹس کا آغاز ہوا۔گروپ اے، بی،سی کے بعد ڈی گروپ والوں کی باری آئی۔ 100 میٹر دوڑ ریس اور فراگ ریس کے دلچسپ مقابلے ہوئے۔ بیٹے کی کارکردگی اور 9 دن کی مسلسل جدو جہد کا نتیجہ دیکھنے عفان کے والد بھی یاسرہ کو گود میں لیے میدان پہنچے۔ چھوٹی بچیوں کی دوڑ ریس شروع ہونے والی تھی کہ یاسرہ ابو کی گود سے اتر کر دوڑتی ہوئی مقابلے میں حصہ لینے والی بچیوں کے قطار میں کھڑی ہوگئی۔اتنی پیاری اور خوبصورت بچی کو لائن میں کھڑی دیکھ کر اسکول کے منتظمین نے اسے باہر نہیں کیا بلکہ اعزازی طور پر اسے دوڑنے کی اجازت دے دی۔یاسرہ کے ابو کے ساتھ میدان میں موجود دیگر گارجینوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ ایک چھوٹی سی بچی اپنے سے دوگنا لڑکیوں کو دوڑ میں بہت پیچھے چھوڑ چکی تھی۔سورج غروب ہونے سے قبل تمام ایونٹس مکمل کر لیے گئے۔ اسپورٹس کے اختتام اور انعامات و میڈل اسکول کے سالانہ جلسے میں اعلان کے ساتھ ہی تمام بچے اپنے گارجین کے ہمراہ گھر لوٹے۔واپسی میں یاسرہ اور عفان نے چٹ پٹی چیزیں کھانے کے ساتھ امی اور دادی کے لیے گرما گرم سموسے بھی لیے۔

گھر پہنچ کر عفان نے اپنی دادی اور امی کو بتایا کہ یاسرہ اسکول میں پڑھے بغیر اسپورٹس میں دوڑ گئی۔

’امی! جانتی ہیں 100 میٹر دوڑ ریس اور فراگ ریس مقابلے میں پیچھے سے میں فرسٹ آیا جبکہ یاسرہ آگے سے فرسٹ ہوئی۔وہ سب سے آگے تھی باقی لڑکیاں اس کے پیچھے تھیں۔ سر نے اسے انعام کے طور پر اپنا قلم دیا اور ہم لوگوں کے لیے اعلان ہوا کہ اسکول کے سالانہ جلسے میں تمام بچوں کو انعامات دیے جائیں گے جنھوں نے اسپورٹس میں حصہ لیا ہے۔‘

’پیچھے سے فرسٹ آیا‘ والی بات سن کر امی اور دادی کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ انھیں ہنستے دیکھ کر عفان بھی ہنسنے لگا۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ امی اور دادی کیوں ہنس رہی ہیں۔بس ان کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی ہنسنے لگا۔ عفان کے ابو نے اس کی دل جوئی کے لیے راستے میں کہہ دیا تھا کہ وہ پیچھے سے فرسٹ آیا ہے۔

رات سوتے وقت عفان کو اپنی گود میں بھر کر ابو نے بڑے پیار سے کہا۔

’لوگ مقابلے میں پیچھے سے فرسٹ نہیں ہوتے بلکہ پچھڑ جاتے ہیں۔کامیاب وہی ہوتے ہیں جو ہر مقابلے میں آگے ہوں۔خواہ مقابلہ تعلیم کا ہو یا پھر کھیل کود کا۔ جذبہ ہمیشہ آگے رہنے اور بڑھنے کا ہونا چاہیے۔ جو لوگ مقابلے میں آگے ہوتے ہیں وہی اول پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔دنیا انھیں ہی کامیاب مانتی اور سمجھتی ہے اور کامیابی انھی کے قدم چومتی ہے جو لگن اور محنت کے دیوانے ہوتے ہیں۔‘

■

Md. Gulzar
Rail Par, Jahangiri Mohalla
Asansol- 713302 (West Bengal)
gulzar.connect@gmail.com

آخری قسط

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

پیارے بچو! 'جنگل کی کہانی' کی یہ آخری قسط ہے۔ اب تک آپ بھیڑیا اور گیدڑ، شیر خاں کی دھمکی، بھیڑیا گروہ میں موگلی کا مطالعہ، شیر خاں کی سازش، لال پھول کا کرشمہ، موگلی جنگل سے انسانوں کی بستی میں، شیر خاں کا خاتمہ، انسانی سماج سے اخراج، قسم پوری ہوئی، بندروں کی بری صحبت، موگلی بندروں کی قید میں، قا، اژدھا کی تلاش میں، چیل نے موگلی کاپیغام دیا' اور 'بندروں کا شیت نگر' پڑھ چکے ہیں۔ امید ہے اس سیریز کی آخری دو کہانیاں 'قا' کی آمد اور 'قا' کا رقصِ اشتہا بھی آپ کو پسند آئیں گی۔ (ادارہ)

'قا' کی آمد

تبھی بہت تیزی سے چلتا ہوا 'قا' وہاں آپہنچا۔ وہ دشمنوں کی جان لینے کو بے چین تھا۔ ایک اژدہے کی جنگلی طاقت اس کے سر کی ہتھوڑے جیسی چوٹ میں ہوتی ہے۔ اگر تم ایک بیس من بھاری ایسے بھالے یا ہتھوڑے یا گدا کا تصور کرسکو جس کو ایک پرسکون اور صابر دماغ سنبھالے ہوئے ہو، تو تمھیں اس بات کا تھوڑا سا اندازہ ہوسکے گا کہ جنگ کررہے 'قا' کی ہیئت کتنی بھیانک ہوتی ہوگی۔ چار پانچ فٹ لمبا اژدہا بھی اگر کسی آدمی کے سینے پر اپنا سر رکھ مارے تو وہ آدمی آسانی سے زمین بوس ہوجائے گا۔ پھر 'قا' تو تیس فٹ لمبا تھا۔ اس نے پہلی چوٹ بھالو کے چاروں طرف جٹی بھیڑ کے بیچوں بیچ کی۔ یہ چوٹ بالکل خاموشی کے ساتھ بغیر کسی طرح کی آواز پیدا کیے کی گئی تھی۔ پھر دوسری چوٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ 'قا' یہ تو 'قا' ہے۔ بھاگو! بھاگو! چلاتے ہوئے بندر ادھر ادھر منتشر ہوکر بھاگ نکلے۔

کئی نسلوں سے بڑے بزرگ بندر اپنے نٹ کھٹ بچوں کو 'قا' کے قصے سنا کر ٹھیک کرتے آئے تھے۔ اس 'قا' کے قصے جو رات کے وقت چوری کرتا ہے۔ وہ سب بتاتے تھے کہ 'قا' شاخوں پر اسی طرح بغیر آواز پیدا کیے گھسٹتا ہوا چلتا ہے جیسے بنا آواز کیے شاخ پر کائی اگتی ہے۔ وہ سب اس 'قا' کے قصے سنتے تھے جو شکار کا بالکل خشک شاخ جیسا دکھائی دینے لگتا ہے اور چالاک سے چالاک لوگ بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ انھیں اپنی بھول تبھی معلوم ہوتی ہے جسے وہ خشک شاخ سمجھ رہے تھے، وہی خشک شاخ انھیں اپنی گرفت میں جکڑ لیتی ہے۔ 'قا' واحد جاندار تھا جس سے بندر جنگل میں ڈرتے تھے کیونکہ اس کی طاقت اور قوت کی حد کا انھیں کوئی علم نہیں تھا۔ وہ سب اس کے منھ کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر پاتے تھے۔ اس کی گرفت سے کوئی زندہ نہیں بچ سکا تھا۔ چنانچہ جب وہ سب دہشت زدہ ہوکر ہکلاتے ہوئے مکانوں کی دیواروں اور چھتوں کی جانب

بھاگے تو بھالو نے راحت کی ایک گہری سانس لی۔ اس کے بدن کے روئیں بگھیرا کے برعکس کہیں زیادہ گھنے تھے، پھر بھی لڑائی میں اسے کافی چوٹ پہنچی تھی۔

'قا' نے پہلی بار اپنا منھ کھولا اور ایک لمبی پھنکار نکالی۔ یہ پھنکار سن کر اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے جنگل سے بندر نگری طرف چھلانگ لگاتے چلے آرہے بندر دور جہاں تھے وہیں اپنی جگہ خوف سے کانپتے ہوئے ساکت وجامد ہوکر رہ گئے۔ حتیٰ کہ ان کے بوجھ سے شاخیں چرمرانے لگیں۔ دیواروں اور خالی چھتوں پر بیٹھے بندروں نے اپنا چیخنا چلانا بند کر دیا۔

شہر میں اچانک پھیل جانے والے اس گہرے سناٹے میں موگلی نے سنا کہ بگھیرا تالاب سے نکل کر اپنا جسم پھڑ پھڑا کر پانی جھٹک رہا ہے۔ کچھ دیر بعد پھر شوروغل شروع ہوگیا۔ بندر دیواروں پر مزید اوپر چڑھ گئے۔ وہ سب پتھر کی بڑی بڑی مورتیوں کے گلے میں لٹک کر یا برجیوں اور میناروں پر سے بھاگتے ہوئے چیختے جارہے تھے۔ ادھر بارہ دری کے اندر جالی میں منھ سٹا کر باہر دیکھتا اور بیچ بیچ میں ناچتا اچھلتا موگلی ان کے تئیں اپنی نفرت ظاہر کرنے کے لیے الو جیسی سیٹی بجا رہا تھا۔

''انسان بچے کو کوئی اس کٹہرے سے نکالو! مجھ سے تو اب کچھ نہیں کرتے بنے گا۔'' بگھیرا لمبی سانس لے کر بولا۔ ''انسان کے بچے کو لے کر اب ہمیں فوراً چل دینا چاہیے۔ وہ سب (بندر) پھر حملہ کر سکتے ہیں۔''

''فکر مت کرو۔ میرے حکم کے بغیر وہ سب ہل بھی نہیں سکتے ہیں۔ تم جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ۔ ہس... س س س!'' یہ کہہ کر 'قا' نے ایک زوردار پھنکار ماری اور سارے شہر میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ''میں پہلے نہیں آسکا، بھائی، لیکن میں سوچتا ہوں کہ میں نے تجھے مدد کے لیے بلاتے ہوئے سنا تھا۔'' یہ بات بگھیرا سے کہی گئی تھی۔

''میں میں شاید لڑائی کے جوش میں چلایا ہوں گا۔'' بگھیرا نے جھینپ کر بات کو ٹال دیا۔ ''بھالو دادا، کیا تجھے کافی چوٹ لگی ہے؟''

''انھوں نے مجھے نوچ نوچ کر میرے سو ٹکڑے کر دیے ہیں، یہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔'' بھالو نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا۔ کہتے ہوئے وہ اپنے پاؤں ہلاتا جارہا تھا۔ ''واؤ۔ میرے درد ہو رہا ہے۔ 'قا' ہماری جانیں تیری ہی وجہ سے بچیں۔ بگھیرا کی اور میری جان۔''

''کوئی بات نہیں وہ انسان بچہ کہاں ہے؟'' 'قا' نے دریافت کیا۔ ''میں یہاں ہوں، ایک کٹہرے میں۔ میں اوپر نہیں چڑھ پا رہا ہوں۔'' موگلی چلایا۔

''اسے یہاں سے لے جاؤ۔ یہ تو مور کی طرح ناچتا ہے۔ یہ ہمارے بچوں کو کچل ڈالے گا۔'' اندر سے ناگ سانپوں نے کہا۔

''واہ!'' 'قا' کچھ ہنس کر بولا۔ ''اس انسان بچے کے تو سبھی جگہ دوست ہیں۔ پیچھے ہٹ جا، انسان بچہ! اے زہریلے سانپو!، تم سب چھپ جاؤ۔ میں دیوار توڑنے جارہا ہوں۔''

'قا' اس اثنا بہت غور سے سنگ مرمر کی جالی کا معائنہ کر رہا تھا۔ آخرکار اسے ایک جگہ دراڑ دکھائی دی۔ دیوار میں یہی ایک کمزور مٹی تھی۔ دوری کا اندازہ کرنے کے لیے 'قا' نے اپنے سر سے دو تین ٹھوکریں اس جگہ لگائیں اور تبھی زمین سے جسم کو پورے چھ فٹ اوپر اٹھاتے ہوئے

اس نے اپنے سر سے ہتھوڑے جیسی پرجوش اور زور دار آدھی درجن ٹھوکریں تابڑتوڑ اسی جگہ لگائیں، دھول اور گرد کا غبار اڑاتا ہوا جالی کا ایک حصہ نیچے ڈھے گیا۔ راستہ کھلتے ہی موگلی کود کر باہر نکل آیا اور لپک کر اس نے بھالو دادا اور بگھیرا کے گلوں میں اپنی باہیں حائل کریں۔

''تجھے چوٹ تو نہیں لگی؟ بھالو پیارے دھیرے دھیرے سینے سے لگاتا ہوا بولا۔

''میں تھکا ہوں، بھوکا ہوں اور مجھے ذرا سی خراش بھی نہیں لگی ہے لیکن اوہ، انھوں نے تم لوگوں کی تو بری حالت کر دی ہے، میرے بھائیو! تمھارے جسم سے بہت خون بہہ رہا ہے۔''

''خون تو دوسروں کا بھی بہا ہے۔'' اپنے ہونٹ چاٹتے ہوئے اور چبوترے پر اور تالاب کے چاروں طرف مرے پڑے بندروں کی طرف دیکھتے ہوئے بگھیرا بولا۔

''یہ سب تو کچھ نہیں ہے۔ اگر تو ٹھیک ہے تو ہماری چوٹیں کچھ بھی نہیں ہیں، اے میرے مینڈک! بھالو دادا نے دلار سے کہا۔

''خیر ان چیزوں کا فیصلہ بعد میں بھی ہو جائے گا''۔ بگھیرا ایسی خشک اور سخت آواز میں بولا جو موگلی کو بالکل اچھی نہیں لگی۔ ''لیکن دیکھ، یہ 'قا' ہے جس کی بدولت ہم نے لڑائی جیتی اور تو نے اپنی زندگی پائی۔ اس کا ہمارے قاعدے کے مطابق شکریہ ادا کر، موگلی۔''

موگلی نے مڑ کر دیکھا۔ وہ یہ دیکھ کر ایک دم ہچکچا گیا کہ ایک وسیع اژدہا کا سر اس کے سر سے بھی ایک فٹ اوپر لہرا رہا ہے۔

''تو یہی ہے وہ انسان بچہ!؟'' قا نے کہا۔ ''اس کی کھال تو بڑی ملائم ہے اور یہ بندروں سے مختلف بھی نہیں ہے۔ انسان بچے، ذرا دھیان رکھنا کہ اپنی کینچلی بدلنے کے بعد کسی شام کو میں تجھے بندر سمجھ بیٹھنے کی بھول نہ کر بیٹھوں۔''

''ہم دونوں کا ایک ہی خون ہے، تیرا اور میرا''۔ موگلی نے جواب دیا۔ ''آج کی رات میں نے اپنی زندگی تجھ سے حاصل کی ہے۔ اگر تو کبھی بھی بھوکا ہوا تو میرا شکار تیرا شکار ہوگا، اے قا!''

''بہت بہت شکریہ، چھوٹے بھائی، 'قا' نے کہا۔ حالانکہ اس کی آنکھیں تفریح کے جذبے سے چمک رہی تھیں''۔ اور سنو تو کہ ایسا بہادر بھلا کاہے کا شکار کرتا ہے؟ یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں تاکہ جب آئندہ وہ شکار کرنے جائے تو میں بھی کچھ پانے کی امید میں اس کے ساتھ ساتھ چلا جاؤں''

''میں کچھ نہیں مارتا میں ابھی بہت چھوٹا ہوں لیکن جن لوگوں کو بکریاں پسند ہیں میں بکریوں کو ان کی طرف

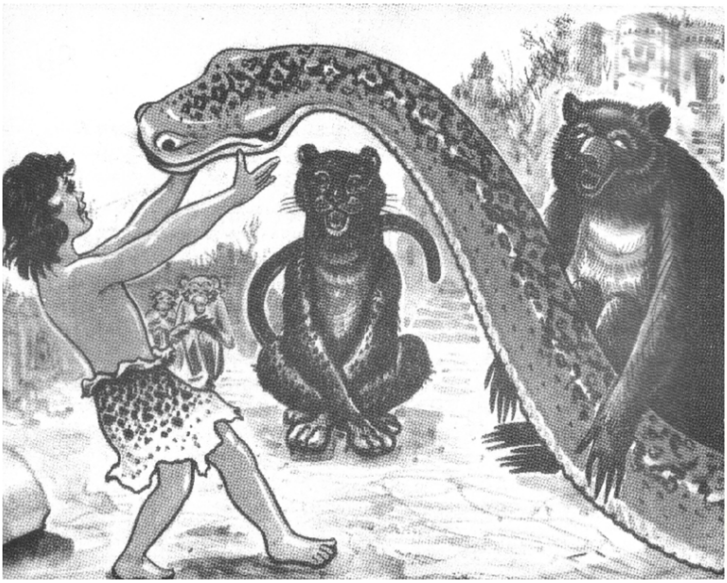

ہانک کرلاسکتا ہوں۔ جب کبھی تیرا پیٹ خالی ہو تب میرے پاس آنا اور دیکھنا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ نہیں۔ میرے پاس ان میں (اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر دکھاتے ہوئے) کچھ ہنر ہے اور اگر تو کبھی کسی جال میں پھنس گیا تو بہت ممکن ہے کہ میں تیرا قرض اتار سکوں۔ شکار مبارک، میرے آقاؤ!''

''بہت خوب، بہت خوب۔'' بھالو مسرور ہو کر بولا، کیونکہ موگلی نے بہت ہی خوبصورت انداز سے 'قا' کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اژدہے نے ایک منٹ کے لیے اپنا سر ہلکے سے موگلی کے شانے پر رکھ دیا۔ ''تم بہادر دل اور شیریں زبان ہو'' وہ بولا۔ ''یہ دونوں خوبیاں تجھے جنگل میں بہت بلند مقام عطا کریں گی، انسان بچے۔ لیکن اب تو اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں سے فوراً چلا جا۔ جا اور جا کر سو جا کیونکہ چاند غروب ہونے والا ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا اسے دیکھنا تیرے حق میں نہیں ہے۔''

'قا' کا رقصِ اشتہا

چاند پہاڑیوں کے عقب میں غروب ہوتا جا رہا تھا اور برجیوں اور دیواروں پر ایک دوسرے سے لگ کر کانپتے ہوئے بیٹھے بندروں کی قطاریں ٹیڑھی میڑھی ناہموار تھرتھراتی پرچھائیوں جیسی دکھائی دے رہی تھیں۔ بھالو دادا تالاب میں پانی پینے چلا گیا اور بگھیرا اپنی کھال کے روئیں سنوارنے سنبھالنے لگا۔ تبھی 'قا' سرکتا ہوا چبوترے کے بیچوں بیچ پہنچا اور وہاں پہنچ کر اس نے اپنے کھلے ہوئے جبڑے سپاک سے بھینچے جس کی تیز گونج چاروں طرف پھیل گئی۔ اس آواز سے سارے بندروں کی آنکھیں اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

''چاند غروب ہو رہا ہے''۔ اس نے پکارا۔ ''کیا اب بھی اتنی روشنی ہے کہ دکھائی دے؟'' درخت کی چوٹیوں میں جیسے ہوا رو رہی ہو، ایسی ایک آواز دیواروں پر سے آئی: ''ہم دیکھ رہے ہیں، اے آقا!''۔

''ٹھیک۔ اب رقص کا آغاز ہوتا ہے۔ 'قا' کا رقص اشتہا۔ آرام سے چپ چاپ بیٹھو اور دیکھو۔''

اپنا سر ادھر ادھر گھماتا ہوا وہ پہلے تو ایک بڑے دائرے میں دو تین بار گھوما۔ اس کے بعد اس نے اپنے لمبے جسم سے گول گول پھندے اور انگریزی کے آٹھ کا عدد بنانا شروع کیا۔ جیسے رقیق مادہ رستا ہے، اس طرح اس کا جسم مثلث بناتا ہوا ایک دم جیسے پگھل کر مربع نما بن جاتا اور پھر مسدس بناتے بناتے کنڈلی کا ڈھیر جیسا اٹھ آیا۔ اس کے جسم کی حرکت ایک لمحہ کے لیے بھی رکتی نہیں تھی، کہیں

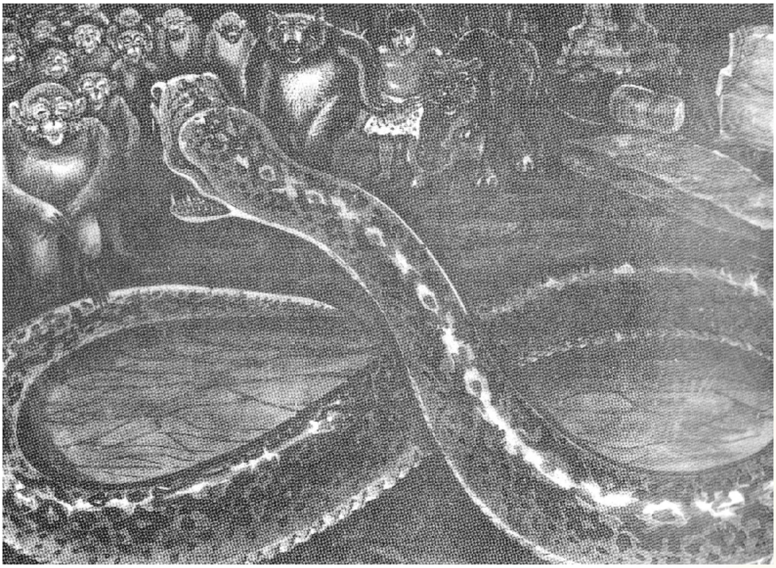

ایک لمحہ کی جلد بازی نہیں ہوتی تھی اور اس کا ہلکا گن گن آواز میں نکلنے والا گانا مسلسل جاری تھا۔

اندھیرا بڑھتا گیا، بڑھتا گیا، یہاں تک کہ لگاتار چلتی ہوئی، متواتر بدلتی ہوئی اس کے جسم کی لہریاں اندھیرے میں مل کر اوجھل ہوگئیں۔ لیکن تب بھی اس کے جسم کی لہر دار رفتار سے ہونے والی سرسراہٹ کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

بھالوداد ا اور بگھیرا کی گردنوں کے روئیں کھڑے ہوگئے۔ وہ دونوں اپنے گلے کے اندر ہی گھر گھر کی آواز کرتے ہوئے پتھروں جیسے اٹل اور جامد کھڑے رہے، اور موگلی یہ سب کچھ دیکھتا اور تعجب کرتا کھڑا رہا۔

''بندرو!'' آخرکار قا کی آواز سنائی دی۔ ''کیا تم میرے حکم کے بغیر ہاتھ یا پاؤں ہلا سکتے ہو؟ بولو!''

''بغیر تیرے حکم کے ہم ہاتھ یا پاؤں نہیں ہلا سکتے۔ اے قا''

''ٹھیک! تم سب میری طرف ایک قدم آگے آؤ۔''

بندروں کی قطاریں گوسحر زدہ ہوں، ایسی بے بسی سے آگے بڑھ آئے اور ان کے ساتھ ہی بگھیرا اور بھالوداد ا بھی کسی پراسرار طاقت سے کھنچے ہوئے گوخو بخود ایک قدم آگے بڑھ آئے۔

''اور نزدیک'' قا نے ہسکاری بھری اور سب کے سب پھر کھنچے ہوئے سے آگے بڑھ آئے۔

موگلی نے بگھیرا اور بھالوداد ا کو وہاں سے ہٹانے کے لیے ان کے کندھوں پر جب اپنے ہاتھ رکھے تو دونوں عظیم جانور ایسے چونک پڑے جیسے کوئی خواب دیکھتے دیکھتے معاً جگا دیے گئے ہوں۔

''تو اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھے رہ'' بگھیرا عجیب اور سہمی ہوئی آواز میں پھسپھسایا۔ ''اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھے رہ، ورنہ میں۔ میں 'قا' کی طرف واپس چلا جاؤں گا۔ اوہ''۔

یہ تو وہی بڈھا 'قا' ہے جو دھول میں چکر لگا رہا ہے۔'' موگلی بولا۔ ''ہم لوگوں کو اب یہاں سے چل دینا چاہیے۔''

اور وہ تینوں شہر کی دیوار میں ایک سوراخ سے نکل کر جنگل کی طرف چل دیے۔

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہریار
دوسری اشاعت: 2022
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

محمد خلیل

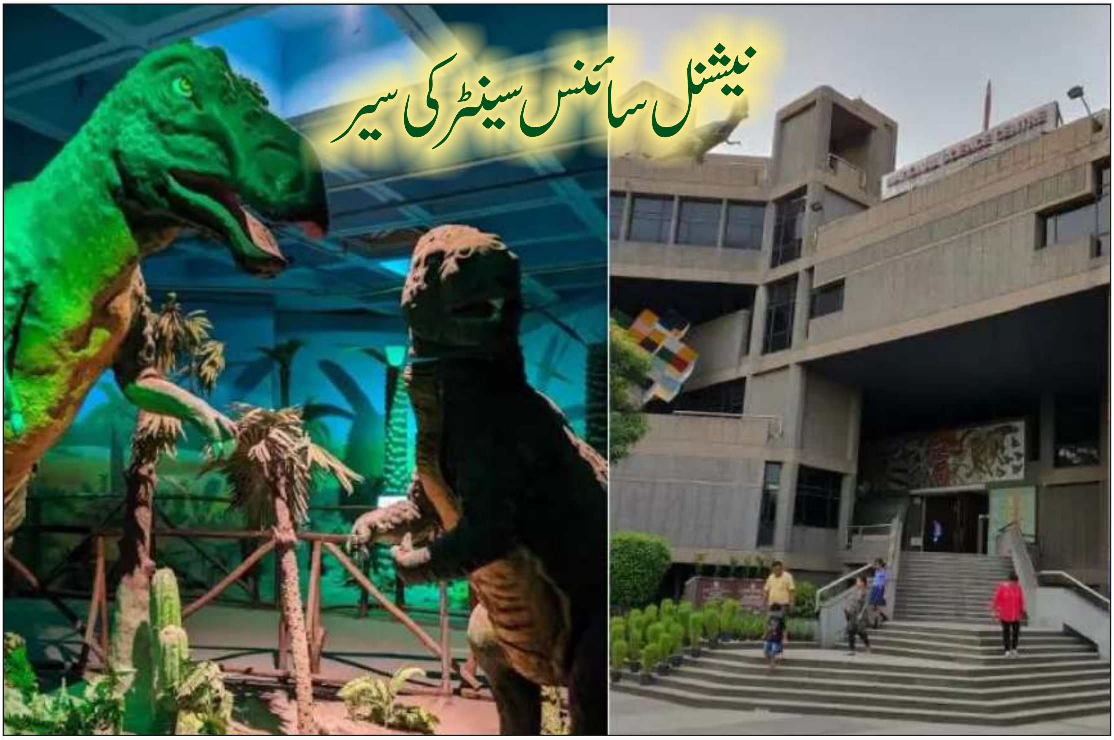

چھٹی کے دنوں میں تم کسی نئی جگہ جانا چاہتے ہو جہاں کوئی نئی چیز تمھیں دیکھنے کو ملے اور تم کچھ نئی باتوں کے بارے میں جان سکو۔ تو آؤ آج ہم تم کو ایک نئی جگہ لے چلتے ہیں جو نئی دہلی میں پرگتی میدان کے پیچھے ہے۔ اس کی پانچ منزلہ شاندار عمارت بنی ہوئی ہے جسے ہم 'نیشنل سائنس سینٹر' کے نام سے جانتے ہیں۔ ایسے بائیس سینٹر ممبئی، پٹنہ، ناگپور، لکھنؤ، بھوپال، گلبرگہ، کولکاتا، بنگلور، گوہاٹی اور ملک کے کچھ دوسرے مقامات پر بھی ہیں۔ یہ سب سے پہلے کولکاتا میں قائم ہوا تھا۔ یہ نئی دہلی میں 1992 سے قائم ہے۔ آیئے اسے دیکھیں جیسے ہی تم خاص بڑے دروازے سے اس سائنس سینٹر (مرکز) میں داخل ہوگے تمھیں سامنے ایک بڑا ماڈل 'توانائی گیند' یا جسے انرجی بال کہتے ہیں دکھائی دے گا۔

توانائی گیند دنیا کا سب سے بڑا نمائشی ماڈل ہے۔ اس عجیب سی دوڑ دھوپ کو دیکھ کر تم کو تعجب ہوگا کہ اسکیلیٹر سے جب تم اوپر چڑھ رہے ہوتے ہو اس دوران گیند مسلسل طے کیے ہوئے راستے پر سفر کرتی رہتی ہے اور قلابازی کرتی ہے جس سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جو بجلی پیدا کرنے کا اشارہ ہے جو پھر توانائی میں بدل جاتی ہے۔ اس ماڈل میں سولہ گیندوں کو چین لفٹ کے ذریعے چودہ میٹر کی اونچائی تک پہنچ کر گول راستوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور یہ چین لفٹ کے ذریعے ترتیب سے گزرتے ہوئے اوپر اونچائی پر جاتی ہے۔ اس عمل میں چین لفٹ تین گیندوں کو اوپر لے جاتی اور نیچے کی طرف پھر تین گیندوں کے واپس آنے کا انتظار کرتی ہے۔ گیند کو اوپر کی طرف لے جانے کے اس طریقے میں گیندوں کے علاوہ

توانائی بھی جمع ہوتی رہتی ہے۔

لفٹ کے ذریعے اوپر سے جاکر چھوڑی ہوئی گیندیں ترتیب کے ساتھ دروازوں کے ذریعے آگے بھیجی جاتی ہے جو ترتیبی دروازے سے نکلی گیندیں ایک خاص ترتیب میں گزرتی ہیں جب کہ غیر ترتیبی دروازے سے نکلی ہوئی گیندیں غیر ترتیب ہوکر اپنی مرضی کے مطابق گزرتی ہوئی قلابازی کرتی ہوئی گزرتی ہیں۔ اس کے برخلاف اوپر جاتی ہوئی گیندیں مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی آگے نکل جاتی ہیں۔ یہ سینٹری فیوگل فورس (یعنی مرکز گریز قوت) اور آئینگولر ورلاسیٹی (زاویاتی رفتار) کی وجہ سے ایک ٹرالی سے گزر کر زائلوفون بجاتی ہوئی نیچے کی طرف چھ میٹر کی اونچائی تک کودتی ہیں پھر پلیٹ پر گرتی ہیں اور لچک دار ہونے کی وجہ سے اپنے راستے پر چلتی ہوئی کمپاؤنڈ اسپلیٹر بجاتی ہوئی اٹھانے کے اصول سے ایک کمپاؤنڈ پنڈولم بجاتی ہوئی بجلی پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح اپنے راستوں پر طرح طرح کی اچھی لگنے والی قلابازیاں کرتے ہوئے سفر کرتی ہیں۔ یہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ گیند کا یہ کمال بڑا ہی تعجب والا ہے جو آنے والے لوگوں کے دماغ میں کئی سوال پیدا کرتی ہے اور ان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

میراث (ہیری ٹیج) گیلری میں ہندوستان اور سائنس ٹکنالوجی کے پانچ ہزار برسوں کی تاریخ کو کام کرنے والے ماڈلوں کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔ یہاں پرانی ہندوستانی ریاضی (حساب)، نجوم کا علم، طب کا علم، کیمیا کا علم، دھاتوں کی تیاری اور پرانے زمانے کی بدلتی ہوئی سائنس ٹکنالوجی کی شکلوں کو بھی مختلف طریقوں سے دکھایا گیا ہے۔ بڑے بڑے سوالات بڑی گنتیاں اور ڈسمل والی گنتی کا حل نکالنے کے لیے بھی ماڈل کو یہاں دکھایا گیا ہے۔ پھر زیرو (صفر) کی ایجاد کرنے والے سائنس داں کی زندگی کو مختصر طور پر بتایا گیا ہے۔ ایٹم کی بناوٹ کو بھی بتایا گیا ہے۔

ایک دلچسپی کی بات یہ ہے کہ یہاں میوزیم میں آنے والا کوئی بھی شخص مشہور قدیم سائنس داں آریہ بھٹ بن سکتا ہے۔ یہ اس طرح کہ تم ماڈل کو چلا کر یہ معلوم کر سکتے ہو کہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے آریہ بھٹ سائنس داں نے (پائی) یا گولے کے رقبے کو حل کر کے پائی کی قیمت (ویلیو) کیا معلوم کی تھی۔

وہاں موجود چرک کی دریافت کی ہوئی دوائیں، سسرت کے جراحی (سرجری) کے آلات آج بھی تم کو تعجب میں ڈال دیں گے۔ یہاں میوزیم میں ایسا ویڈیو رکھا ہوا ہے جس کے ذریعے جنتر منتر کے آلات کے بارے میں سمجھایا گیا ہے۔

پرانے زمانے میں کیمیا کی تجربہ گاہ (لیباریٹری) میں لوہا بنانے کے طریقے، اسے پگھلا کر صاف کرنے کے طریقے کے علاوہ ہندوستانی کیمیا اور دھات کی خوبیوں کو کئی طریقے سے دکھایا گیا ہے۔

مغل بادشاہ اکبر کے دور کی کئی توپ نلیوں کو ایک ساتھ صاف کرنے والی مشین جسے فتح اللہ شیرازی نے بنایا تھا اس گیلری میں موجود ہے۔ اس مشین کو کام کرتے ہوئے تم دیکھ سکتے ہو۔ یہاں اس زمانے کے کاریگروں کی تیار کی ہوئی دھاتوں پر کئی طرح کی خوبصورت نقاشی کو دکھایا گیا ہے۔

سائنس سینٹر کی ایک گیلری میں بیسویں صدی کے

ممتاز ہندوستانی سائنس دانوں کی خدمات کو ایک ماڈل کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔ اس طرح ہندوستان کی سائنس اور ٹکنالوجی کی بدلتی ترقی کی تصویر کو یہاں کے نمائشی ہال میں رکھا گیا ہے۔

یہاں سائنس سینٹر میں تمھاری دلچسپی کے لیے تفریحی سائنس کے ایسے تجربوں کو رکھا گیا جو دلچسپ نہ ہوتے ہوئے یہاں خوبصورت نظر آتے ہیں۔ اس لیے تم ان کو دیکھ کر آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔ مثال کے طور پر یہاں تم پانی کے بلبلے کو کئی حالتوں میں اوپر اٹھتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں، دوسری طرف ریاضی پنڈولم، ڈھلتی گیندیں، روشنی، آئینہ، مقناطیس (میگنیٹ) اور کپکپاہٹ، برقی، دیکھنے میں دھوکا جیسے کئی سائنسی ماڈل رکھے ہوئے ہیں۔

شاید آپ کو یقین نہ آئے لیکن یہاں تم سمندری لہریں خود پیدا کر سکتے ہو۔ کیرم کھیلنے کا یہاں عجیب انداز کا ماڈل موجود ہے۔ یہاں تم گرم بھری ہوئی ہوا کا غبارہ اٹھا سکتے ہو۔ اپنے کٹے ہوئے سر کو چاند کی تھال میں دیکھ سکتے ہو، پھر آگے بڑھیے اور وہاں موجود گیند کو گھیرے میں لڑھکاؤ اس تفریحی سائنس کے ذریعے یہاں سینٹر میں پورا لطف اٹھا سکتے ہو۔

اس سائنسی سینٹر میں جب تم گھومتے ہوئے خود کر کے دیکھنے والے حصے میں پہنچو گے تو خود ہی دیکھو گے کہ بچے سائنس کے کھیلوں سے کھیل رہے ہیں تم بھی یہاں کھیل سکتے ہو، ساتھ ہی نیا تجربہ بھی کر سکتے ہو۔ معلوم کرنے کی نئی خوشی کے جذبے کو محسوس کر سکتے ہو۔ اس گیلری میں کمپیوٹر کو سمجھنے کے لیے ایک ماڈل بھی موجود ہے۔ یہاں گنبد والے سیارات نما یعنی پلینیٹیریم میں بیٹھ کر تم تاروں سے بھرے ہوئے آسمان کی سیر کر سکتے ہو۔ یہاں تمھارے ٹیچرس کے لیے اسکول مرکز بھی ہے تاکہ وہ

بھی ایسا ہی مرکز اپنے اسکولوں میں بنائیں جس سے بچے سائنس میں زیادہ دلچسپی لیں۔ اس مرکز میں کم قیمت والی تعلیم کی مددگار چیزیں بھی تیار کرنے کے لیے رکھی گئی ہیں اس طرح یہاں ایک چھوٹی ورکشاپ بھی موجود ہے۔

اس گیلری میں جانکاری یعنی اطلاعات کو بڑے طور پر پھیلانے کے لیے جو اس میدان میں ترقی ہوئی ہے اس کے بارے میں یہاں سینٹر کی دیواروں پر پرانے زمانے کی تصویریں، اطلاعات کو پہنچانے کے کئی طریقے دکھائے گئے ہیں۔ پرانے فلسفی (فلاسفر)، پہاڑوں کی تصویریں، اور پرانے زمانے کی خوبصورت مورتیوں کو دیکھ کر اس زمانے میں پہنچ جائیں گے جنھیں حقیقت میں آپ کبھی نہیں دیکھ سکتے۔

جب تم اگلی گیلری میں داخل ہوتے ہو تو وہاں 19 ویں صدی کی ریل ڈاک تار کے نظام کو دکھایا گیا ہے۔ یہاں تم ایک پرانا فلم اسٹوڈیو بھی دیکھو گے جہاں ہاتھ سے چلانے کا کیمرہ رکھا ہوا ہے جس کو دیکھ کر تم تعجب میں پڑ جاؤ گے وہیں پر بٹن دبا کر پرانے مشہور گانے بھی سن سکتے ہو۔ دوسری طرف پرانا قومی چھاپہ خانہ (پریس)، پرانا ڈاک خانہ جسے بڑے اچھے ڈھنگ سے دکھایا گیا ہے۔ اس کے بعد آگے چل کر تم کمپیوٹر کے دور میں پہنچ جاتے ہو، یہاں 1974 میں ملک میں تیار کیا ہوا کمپیوٹر دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد تو کوئی بھی شخص تصویری فون (پکچر فون) کے ذریعے بات کرنا بھولتا ہی نہیں۔ آگے بڑھنے پر تم جو کمپیوٹر دیکھتے ہو اس میں فنگر پرنٹ اور سائنس لینگویج سمبل کو پیش کیا گیا ہے۔ یہاں خواہش کو پورا کرنے کے لیے کئی کمپیوٹر رکھے ہوئے ہیں۔ تربیت دینے والا کمپیوٹر طالب علموں کو کمپیوٹر میں بھرے ہوئے پروگراموں کی تفصیل بتاتا ہے۔ ایک دوسری جگہ خاص کر آج کے مواصلاتی طریقے کی کئی قسموں کو دکھایا گیا ہے جس سے آج ہماری زندگی جڑی ہوئی ہے جس کا اک بڑا ثبوت یہ ہے کہ آج قومی اطلاعاتی نظام (طریقے) کے ذریعے ایک بڑا ڈیٹا (اعداد و شمار) بینک سے جڑ گیا ہے۔ یہاں ایک بوتھ ایسا بھی دیکھو گے جہاں زمین کا ایک چھوٹا اسٹیشن ایک سیارے (سیٹی لائٹ) کی مدد سے قائم کر سکتا ہے۔

اس سائنس سینٹر کا ایک بڑا کام یہ بھی ہے کہ ان معلومات کو بس کے ذریعے ملک کے مختلف حصوں میں لے جاتے ہیں جو ملک کے دو علاقوں تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ کام ملک کی سائنس میوزیم کاؤنسل انجام دے رہی ہے۔ اس طرح سائنس میوزیم میں سائنس کے آلات اور تجربات کو خود دیکھ کر تم کبھی نہیں بھولو گے اور کبھی استعمال بھی کرو گے ہی، خود کرنے سے پھر بخوبی سمجھ جاؤ گے۔

لیکن اس سے انکار کہ صرف پڑھ لینے سے یا اس کے بارے میں سن لینے سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی جس قدر دیکھنے اور کرنے سے ہوتی ہے۔ ان معلومات کو تم تک پہنچانے کا یہی مقصد ہے کہ آپ سائنسی سینٹر پہ جائیں اور وہاں کا فائدہ اٹھائیں۔

■

ماخذ: نیشنل سائنس سینٹر کی سیر، **مصنف:** محمد خلیل
مصور: شیراز حسین، **پہلی اشاعت:** 2022
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. بین الاقوامی یوم صحت کب منایا جاتا ہے؟
2. ہندوستان کی پہلی نیشنل اسپورٹس یونیورسٹی کس ریاست میں واقع ہے؟
3. پی ڈی ایف کا فل فارم کیا ہے؟
4. CV کا فل فارم کیا ہے؟
5. انسانی جسم میں پسلیوں کے کتنے جوڑے ہوتے ہیں؟
6. کس کھلاڑی کو فٹ بال کا بادشاہ کہا جاتا ہے؟
7. چندریان 3 میں روور کا نام کیا ہے؟
8. اتر پردیش کے کس شہر میں رومی دروازہ ہے؟
9. ہندوستان میں ریلوے کا آغاز کس نے کیا؟
10. پرندوں کا بادشاہ کسے کہا جاتا ہے؟
11. بھارت رتن حاصل کرنے والے کرکٹر کا نام بتائیں؟
12. دنیا کی سب سے بڑی لائبریری کا نام کیا ہے؟
13. اس جانور کا کیا نام ہے جو زندگی بھر پانی نہیں پیتا؟
14. اسماعیل میرٹھی کی شناخت اردو ادب میں کس حیثیت سے ہے؟
15. ہندوستان کا قومی نشان کیا ہے؟
16. فٹ بال میں سب سے زیادہ بین الاقوامی گول کرنے والے کھلاڑی کا نام بتائیں؟
17. ہندوستان کا قومی کھیل کیا ہے؟
18. ہندوستان کا پہلا خلاباز کون تھا؟
19. ہندوستان کا سب سے بڑا بہادری کا تمغہ کیا ہے؟
20. CD کس نے ایجاد کیا؟

(جواب صفحہ نمبر 44 پر ملاحظہ فرمائیں)

سید بدرالحسن

جن الفاظ میں (ز) ہے (ذ) نہیں ہے

چونکہ (ذ) عربی زبان کا مخصوص حرف ہے اس لیے غیرعربی الفاظ میں (ذ) کی آواز کے لیے (ز) کو استعمال کرنا چاہیے گوکہ مندرجہ ذیل الفاظ میں سے چند فارسی میں بھی اکثر (ذ) سے لکھے جاتے ہیں۔ گزشتہ اور پزیرائی لیکن یہ ایک غلطی ہے جو اس وقت سے رائج ہوگئی ہے۔ جب فارسی میں عربی الفاظ کو شامل کیا گیا اور فارسی کا رسم الخط بجائے پہلوی کے نستعلیق اختیار کیا گیا۔ اسی زمانے میں خالص فارسی الفاظ کو بھی اکثر (ذ) سے لکھنے لگے۔

ذیل میں چند ایسے الفاظ لکھے جارہے ہیں جن کو غلطی سے (ذ) سے لکھنے لگے ہیں۔

آزر (ذ) = حضرت ابراہیم کے باپ کا نام، آذر کے معنی آگ ہیں۔

پزیرائی = (ث) = قبولیت۔

زخّارُ: = پرشور، لبالب، (دریا یا سمندر)

زرا: = تھوڑا، تھوڑی۔

زکریا = (ذ) = ایک پیغمبر کا نام۔

زیادہ = بہت، تھوڑا کا برعکس۔

سرگزشت = (ث) = گزرے ہوئے حالات۔

گزارا = (ذ) = ذریۂ معاش۔

گزارش = (ث) = عرض، التماس۔

گُزَر = (ذ) = راستہ، رسائی، آمدورفت۔

(ث = نباہ، گزران، گزرنا کا امر۔

گزر = (ث) = گاجر۔

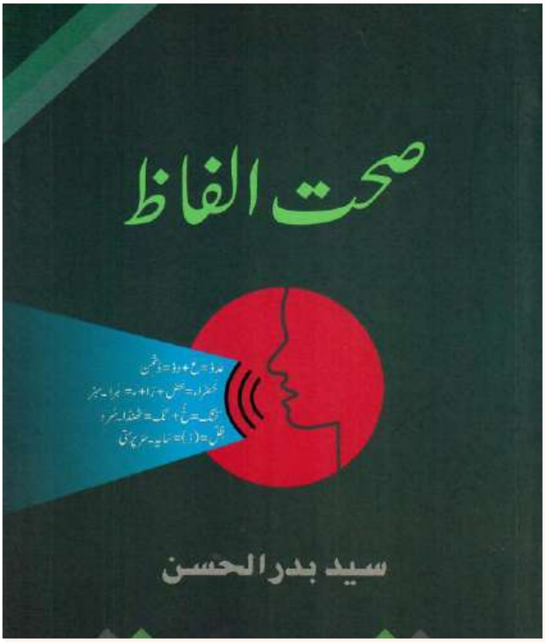

گزری = (ث) = بازار۔

گزشتہ = گزرا ہوا۔

گزک = (ث) = تل اور مٹھاس ملا کر کٹی ہوئی پٹی۔

گزند = (ذ) نقصان۔

■

ماخذ: صحت الفاظ: **مصنف:** سید بدرالحسن، **چھٹی طباعت:** 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

شاہ تزئین آصف، ضلع پریشد اردو اسکول، کسارے تعلقہ ساکری، ضلع دھولیہ، مہاراشٹر

شاہ شفا خلیل، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول
کسارے تعلقہ ساکری، ضلع دھولیہ، مہاراشٹر

شاہا زمن، درجہ دوم، زید ماؤنٹ اسکول، برہم پورہ، بھاگل پور، بہار

عالیہ عمران شاہ، درجہ سوم (الف)، ضلع پریشد اردو اسکول، کسارے تعلقہ ساکری، ضلع دھولیہ، مہاراشٹر

مدیحہ رحمانی، درجہ ششم، سینٹ کیپٹنیو (St. Capitanio)، آسام

مسکان چند شیخ، وشال مہاراشٹرا ایجوکیشن سوسائٹیز، اردو پرائمری اسکول، مہاراشٹر

بچوں کی دنیا

ننھے فنکار

زہرا، ہورگین مانی، درجہ چہارم، الہدیٰ اردو پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

عاکف رحمانی، درجہ دوم، سینٹرل اسکول کے وی، سلچر آسام

مسلین، درجہ کے جی، نیو آریہ پبلک اسکول، نئی دہلی

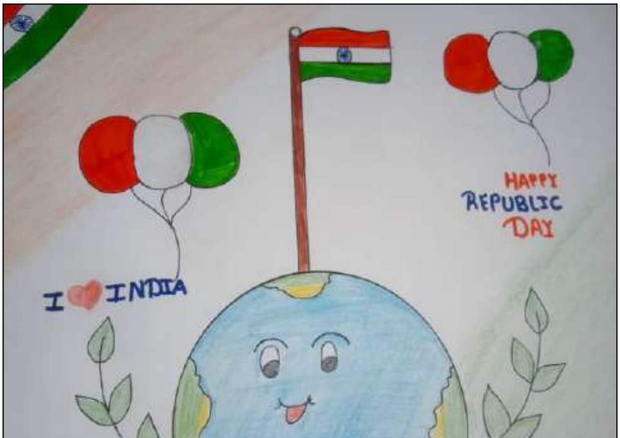

امیمہ عمراعظم، درجہ پنجم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چاکھلی، پونہ، مہاراشٹر

محمد اطیع اللہ، درجہ سوم، جی جے انگلش اکیڈمی نوکا ٹولہ، رکسول، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

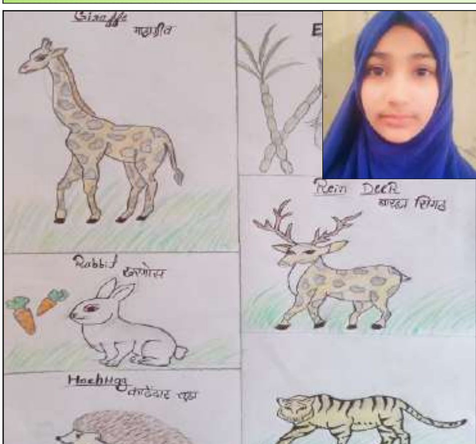

زارا بانو فیروز انصاری، درجہ ہشتم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

فردوس بانو انوار اللہ، درجہ ہشتم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

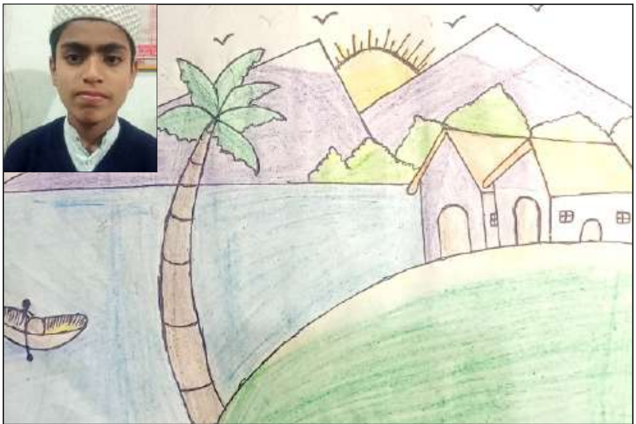

محمد ولی اللہ، درجہ سوم، جی جے انگلش اکیڈمی نوکاٹولہ، رکسول، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

شیخ فیصل ابن شیخ ذاکر، درجہ ششم، جوپیٹر ہائی اسکول، برہانپور، مدھیہ پردیش

فرقان حکیم خان، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

مژدہ خان، درجہ اوّل (بی)، دہلی پبلک اسکول
ایسٹ آف کیلاش، نئی دہلی

حنا کوثر محمد افضال، درجہ دہم، عبدالقادر گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, अप्रैल 2025, वर्ष 13, अंक 04
BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2025 Vol. 13, Issue: 04
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/2025
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

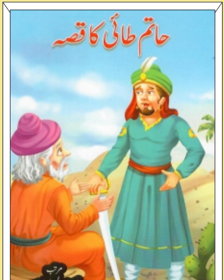

صفحات: 86، قیمت: 30 روپے

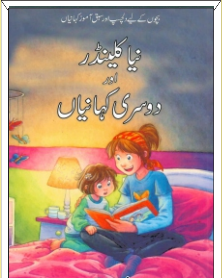

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

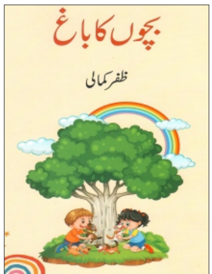

صفحات: 50، قیمت: 20 روپے

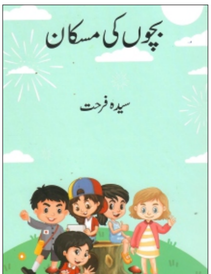

صفحات: 64، قیمت: 25 روپے

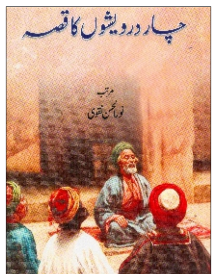

صفحات: 70، قیمت: 30 روپے

صفحات: 22، قیمت: 25 روپے

صفحات: 108، قیمت: 95 روپے

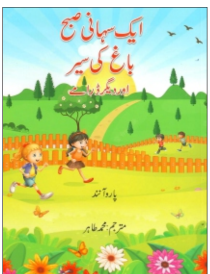

صفحات: 101، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.